# بیدل عظیم آبادی

انتخاب مُلخّصِ کلام بیدل

۱۹۵۱ء

از

مولانا حامد حسن قادریؒ

# بیدلؔ عظیم آبادی

انتخاب مُلخّصِ کلام بیدلؔ

۱۹۵۱ء

از

مولانا حامد حسن قادریؒ

(C) ڈاکٹر خالد حسن قادری۔لندن

کتاب: بیدل عظیم آبادی

مصنف: مولانا حامد حسن قادری

سن تصنیف: ۱۹۵۱ء

سن طباعت: ۲۰۱۰ء طبع اوّل

مطبع: اے۔بی۔سی آفسیٹ پرنٹرز۔۴۷۱۷حوض قاضی دہلی۔۱۱۰۰۰۶

قیمت: ۲۰۰روپے۔

تعداد: ۵۰۰

ملنے کا پتہ

افضال الرحمٰن

۲۷۲۔جامعہ نگر۔ٹیچرز ٹریننگ کالج روڈ

نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

فون نمبر ۰۱۱۔۲۶۸۲۷۱۷۴

موبائیل ۹۸۹۱۳۹۵۰۱۱

# تفصیلات و مندرجاتِ ناگزیر

۲۰۰۳ء


۱۔ اظہارِ نکتہ شناسی

۲۔ بیاض منتخبِ بیدلؔ

۳۔ مقدمہ انتخاب مصنفاتِ بیدلؔ

۴۔ مضمون و مکتوب کے اقتباس

۵۔ خاکہ مقالہ بیدلؔ (انگریزی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اظہارِ نکتہ شناسی

۲۰۰۳ء

حضرت والد صاحب مولانا مولوی حامد حسن قادریؒ کو بیدلؔ کی شاعری سے بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے بیدلؔ کی غزلیات کا انتخاب کیا۔ بعض اشعار کی تشریح کی اور نثری تحریروں میں جو مختلف حالات وکوائف منتشر تھے انھیں انتخاب کر کے ترجمہ کیا۔

مفصل، مرتب باضابطہ کتاب جیسی بیدلؔ پر وہ لکھ سکتے تھے نہ ہو سکی۔ لیکن جو کچھ بھی انھوں نے لکھ دیا ہے وہ بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ وہ سب تحریریں جمع کر کے شائع کی جاتی ہیں۔

اس مجموعے کی ترتیب بھی غیر روایتی ہے۔

پہلے بیدلؔ کی غزلیات کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد

..... ''مقدمۂ انتخابِ مصنفاتِ بیدلؔ'' ..... درج ہے۔

۱۹۵۰ء

آخیر میں دو دلچسپ تحریریں ہیں۔ ایک بیدلؔ پر تحقیقی مقالے کا مجوزہ خاکہ ہے انگریزی میں۔ اور ایک مضمون ہے..... ''کلامِ بیدلؔ پر ایک اڑتی نظر'' ..... یہ مضمون آصف علی صاحب کا ہے۔ اب تو نژادِ نو میں خال خال ہی کوئی ان کے نام سے واقف ہے۔ پچھلے دور میں آصف علی اور ان کی اہلیہ ارونا آصف علی مشاہیرِ ہند کی صفِ اولین کے صدر نشینوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

جناب آصف علی کی سیاسی سرگرمیوں سے تو ایک دنیا واقف تھی لیکن ان کے ادبی مزاج

اور شاعرانہ شخصیت کو کم لوگ جانتے تھے۔ بیدلؔ جیسے مشکل شاعر کے کلام سے رغبت ان کی ذہنی بلندی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

بیدلؔ کی مشکل پسندی عمیق فلسفیانہ فکر اور ان کا نادر اسلوبِ شاعری ایسا تھا کہ علامہ شبلی نعمانی جیسا بالغ نظر ادیب اور فارسی شعر و شاعری کا مستند نقاد بھی بیدلؔ کے ساتھ انصاف نہ کر سکا اور وجہ ہمیں صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ غزل کی حد تک دونوں کا مزاج بالکل مختلف تھا۔

مولانا قادری صاحب نے اپنے ایک خط میں جس کا حوالہ آگے آتا ہے، لکھا تھا.....

''.....بیدلؔ عظیم آبادی نے تمام ضخیم کلام میں حسن و عشق اور ان کے واردات و معاملات کا بالکل ''بائی کاٹ'' رکھا ہے یا شاید کہیں بھولے سے لکھ دیا ہو لیکن میں ان کی نازک خیالی اور معنی آفرینی پر ''لوٹ'' ہوں.....''

پھر ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

''.....بہر حال نازک خیالی اسی طرز میں منحصر نہیں ہے۔ بالکل سادہ جذباتی اشعار میں بھی نازک خیالی اور لطافت ہوتی ہے اور ان خیال آرائیوں سے زیادہ پر لطف ہوتی ہے۔

بیدلؔ کی یہ نازک خیالی اور معنی آفرینی شبلی کو زیادہ پسند نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اس کی شاعرانہ خوبیوں حسن اور اہمیت سے واقف نہ ہوں ان سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے مگر وہ ان کو بڑی آسانی سے تخئیل کی بے اعتدالی کے خانے میں رکھ دیتے ہیں۔

شعر العجم کے چوتھے حصے میں شاعری کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''.....استعارے اور تشبیہیں جب تک لطیف، قریب الماخذ اور اصلیت سے ملتی جلتی ہوتی ہیں شاعری میں حسن پیدا کرتی ہیں۔ لیکن جب تخئیل کو بے اعتدالی کا موقع ملتا ہے تو وہ دور از کار اور فرضی استعارات اور تشبیہیں پیدا کرتی ہے اور اس پر اور بنیادیں قائم کرتی جاتی ہیں۔

مثلاً مرزا بیدلؔ کہتے ہیں ؎

تبسمِ کہ بہ خونِ بہار تیغ کشید
کہ خندہ بر لبِ گل نیم بسمل افتادہ است

اصل خیال اس قدر تھا کہ معشوق کا تبسم پھول کے نیم شگفتہ ہونے کی حالت سے زیادہ خوشنما ہے۔

اس مضمون کو یوں ادا کیا کہ تبسم ایک قاتل ہے اس نے بہار کی خونریزی کے لیے تلوار کھینچی ہے۔ اس کا وار خندۂ گل پر پڑا، خندۂ گل نیم بسمل ہو کر رہ گیا۔

اس تخئیل میں جو بے اعتدالی ہے استعارات کی وجہ سے ہے۔ بہار کا خون۔ تبسم کی تلوار۔ خندۂ گل کا بسمل ہونا۔ دور از کار استعارات ہیں.....''

شبلی اور مقامات پر بھی بیدلؔ کی بے نظیر معنی آفرینی، دقتِ نظر، بلند پروازی، نازک خیالی اور بے بدل اسلوب کے ساتھ انصاف نہ کر سکے۔

بات یہ ہے کہ شبلی سوزِ عشق سے واقف نہ ہوں، لیکن عاشقانہ قریحت و سرشت کے حامل تھے اسی وجہ سے خود ان کی غزلوں میں سوز و گداز، محبت سے زیادہ پر جوش جذبہ اور کیف و مستی سے زیادہ سرمستی و سرخوشی پائی جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی گفتگو کا نہیں ہے لیکن ان کی ذاتی اور نجی جذباتی واقعات سے قطع نظر، جو اب معلومِ عوام ہیں، صرف ان کی فارسی غزلوں کو دیکھئے۔ کیا وفورِ جذبات ہیں۔ کیا جوش و خروش اور مستی و سرمستی ہے۔ ان کی فارسی غزلوں کے تین مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ کیا مہکتے ہوئے جذبات سے دمکتی ہوئی غزلیں ہیں۔ چند اشعار دیکھئے۔

دستۂ گل، لکھنؤ، ستمبر ۱۹۰۶ء.....اپریل ۱۹۰۷ء

مست و پر عربدہ تنگش بکشم در آغوش
تشنۂ وصلم و تا کے بہ محابا باشم

من فدائے بتِ شوخے کہ بہنگامِ وصال
ہمیں آموخت خود آئین ہم آغوشی را

بوسہا بر لب نوشیں زدہ ام از پے ہم
طوطیِ گرسنہ ام بر شکر ستاں زدہ ایم

گرچہ من مرد ہوس بازم و رندی نیستم
ایں چنیں ہم گاہ گاہم اتفاق افتادہ بود

شبِ وصل ست حیا گر بگذاری چہ شود　　یک دمم تنگ در آغوش فشاری چہ شود
از تو ناید گرہ بندِ قبا وا کردن　　اگر بہ عقدہ بہ من باز سپاری چہ شود
آدر برم کہ کار از اندازہ در گذشت　　دستِ دراز گشتہ و آغوش باز را
رسم و آئینِ ہم آغوشی نمی دانم کہ چیست　　دست گستاخ آنچہ فرمودہ ست من آں کردہ ام

فارسی شاعری کا مزاج داں شبلی کی مثل ہونا مشکل ہے۔ لیکن غزل میں ان کا فطری ذوق وہی ہے جو ہم نے چند اشعار کے انتخاب میں ظاہر کیا ہے۔

بیدلؔ کو اس اسلوب و انداز سے کچھ نسبت نہیں۔ اس لیے اگر علامہ شبلیؔ کلامِ بیدل کی داد نہ دے سکے تو اسے بیداد نہ سمجھنا چاہیے۔ بیدل کو دنیوی عشق کے معاملات و واردات و جذبات سے کچھ علاقہ نہیں۔ اس لیے بیدلؔ کی غزلیات کا مطالعہ کرتے وقت بھی یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کسی غزل گو شاعر کا صوفیانہ و فلسفیانہ کلام نہیں بلکہ کسی صوفی و فلسفی کا شاعرانہ کلام ہے۔ اور کسی بھی دوسرے غزل گو شاعر سے غزلیات میں بھی بیدلؔ کا مقابلہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اس بات سے کسی کی تخفیف مقصود نہیں بلکہ اپنے اپنے مقام کی بات ہے۔ اس شعر کو خفیف تبدیلی کے ساتھ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
بیدلؔ کا جہاں اور ہے شبلیؔ کا جہاں اور

خالد حسن قادری

۲۷۔ نینٹ روڈ

لندن

این۔ ڈبلو۔ ٹو

# بیاض منتخب بیدلؔ

۱۹۵۱ء

یعنی

## کلامِ ولیِ ہند میرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی

۱۹۵۰ء

مولانا مولوی حامد حسن قادریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# انتخاب ہائے مرزا بیدلؔ

۱۳۶۴ھ

نفس آشفتہ می دارد چو گل جمعیت مارا
پریشاں می نویسد کلکِ موج احوال دریا را

دریں وادی کہ می باید گذشت از ہر چہ پیش آید
خوش آں رہرو کہ در داماں دی پیچید فردا را

گدازِ دردِ الفت فیضِ اکسیرِ دگر دارد
زخوں گشتن تواں در دل گرفتن جملہ اعضا را

دریں گلشن چو گل یک پرزدن رخصت نمی باشد
مگر از رنگ یابی نسخہ بال افشانی ما را

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا بشکنی رنگ تماشا را

اقامت تہمتی در محفل کم فرصتِ ہستی
چو عکس از خانہ آئینہ بیروں گرم کن جا را

دریں دریا زبس فرش است اجزائے شکستِ من
بہر جامی روم چوں موج بر خود میں نہم پا را

مآل شعلہ ہم داغ است اگر آسودگی خواہی
بصد گردن مدہ از کف جبینِ سجدہ فرسا را

بہشت عافیت رنگ جہاں آرزو یابی
در آغوش نفس گر بشکنی عرضِ تمنا را

.....

کف خاکے ندارم قابل تعمیر خودداری
جنوں افشاند بر ویرانہ ام دامان صحرا را

دریں ویرانہ ہم چشم نگاہم کز سبک روحی
درون خانہ ام وزخویش خالی کردہ ام جارا

خموشی غیر افسردن چہ گل ریزد بدامانت
اگر آزادۂ با نالہ کن پیوند اعضاء را

بآگاہی چہ امکانست گردو جمع خود داری
کہ باہر موج می باید گذشت از خویش دریا را

غبار احتیاج آں جا کہ دامانِ طلب گیرد
روان ست آبرو ہرگہ برفتار آوری پا را

دریں محفل پریشاں جلوہ است آں حسن ہرجائی
شکستن کو کہ پروازے کند آئینہ ما را

ببیں اشک ست ساز غیرت خونیں دلاں بیدلؔ
بہار گر یہ مست خندہ دارد طبع مینا را

.....

مگر از فکر عقبیٰ باز گردم تا بخویش آیم
کہ از خود سخت دور افتادہ ام از دور بینی ہا

در کنہ تو آگاہی و غفلت ہمہ معذور　　دریا ز میاں غافل و ساحل ز کراں ہا
طوفانِ غبار عدمم ۔ آبِ بقا کو　　دریا بمیاں محو شد از جوش کراں ہا

.....

دل گم گشتہ سراغے ست بکیفیت شوق　　نشہ بالد اگر از دست رود شیشۂ ما

.....

دیدۂ حیراں سراغ ہر چہ می خواہی دہد　　خلقے از خود رفتہ و نقشِ قدم داریم ما
گرنباشد اشک ۔ خجلت ہم تلافی می کند　　بہر عذرِ چشم تر یک جبہہ نم داریم ما
گر بخود سازد کسے سیر و سفر در کار نیست　　ایں کہ ہر سو می رویم از خویش رم داریم ما
چند باید بود زحمت پرور از بار امید　　بیدلؔ از ساماں نو میدی چہ کم داریم ما

.....

سخت دشوارست ترک صحبت روشن دلاں　　موج با آں جہد نتواند گذشت از آب ہا
آن قدر بر پاس پیچیدم کہ امیدے نماند　　پاے تا سر یک گرہ شد رشتہ ام از تاب ہا

.....

چوں غنچہ ہماں بہ کہ بد زدی نفس ایں جا　　تا نشکند افشاندن بالت فقس ایں جا
بیدلؔ نشود رام کسے طائر وصلش　　تا از دلِ صد چاک نباشد قفس ایں جا

.....

کسے یارب مباد افسردۂ نیرنگ خودداری　　شرارم سنگ شد از کلفت صبر آزمائی ہا
مباش اے غنچہ از اوراق گل مغرور جمعیت　　کہ ایں پیوستگی ہا در بغل دارد جدائی ہا
بدل گفتم کدامی شیوہ دشوارست انجامش　　نفس در خوں طپید و گفت پاس آشنائی ہا

.....

از کمالِ ما چہ می پرسی کہ چوں آہِ حباب　　در خود آتش می زنیم از بس اثر داریم ما
شش جہت آئینہ دار شوخیِ اظہارِ اوست　　نیست جز مژگاں حجابے را کہ بر داریم ما
انفعالِ ہستی از ما بر ندارد مرگ ہم　　خاک اگر گردیم آبے در نظر داریم ما

سہل نبود در محیطِ دہر پاس اعتبار　　آبروے چوں گہر ہمراہ برداریم ما
فتنہ ہائے دست گاہ زندگی گل کردنی ست　　از نفس صبحِ قیامت در نظر داریم ما
تا نگاہے گل کند ذوق تماشا رفتہ است　　چوں شرر سامانِ فرصت ایں قدر داریم ما

.....

شرر در سنگ برق خرمن مردم نمی گردد　　غنیمت می شمار از زاہداں خلوت نشینی را
خروش ناتوانی می تراود از شکستِ بن　　زبان سرمہ آلود است موے خویش چینی را
نشاط ایں جا بہار ایں جا بہشت ایں جا نگار ایں جا　　تو خود گر عاقلی صرفِ عدم کن دور بینی را

.....

درمحبت داغ دارد کوشش بے حاصلم　　برق آہ ای جانمی سوزد مگر تاثیر را
تاکے از غفلت بقید جسم فرساید دلت　　یک نفس برباد دہ ایں خاک دامن گیر را
ماتحیر پیشگاں را اضطرابے دیگر ست　　پرزدن در رنگ باشد بسملِ تصویر را

.....

اگر تا صانع از مصنوع راہے می تواں بردن　　چرا در بندِ نقشِ ما نباشد نقش بند ما
جہاں طوفانِ رنگ ودل ہماں مشتاق بے رنگی　　چہ سازد جلوہ ہا آئینۂ مشکل پسندِ ما
چو شمع از جست و جو رفتیم تا سر منزلِ داغے　　تلاشِ نقشِ پائے داشت فکر سربلند ما
کمیں نالہ در آریم در گرد عدم بیدلؔ　　ز خاکستر صدائے رفتہ می جوید سپند ما

.....

راہِ عدم بسعیِ نفس می کنیم طے　　افگندہ ایم بار خود از دوشِ نقشِ ما

.....

فہم یکتائی ست　برق اعتبارات دوئی　　عمر ہا شد خواندہ ام بر خویش افسونِ ترا
ہر چہ می بینم سراغے از نشانت می دہد　　ہر دو عالم یک سر زانوست مجنونِ ترا

بیدلؔ آزادی گر استقبال آغوشت کند　　ایں قدر وا شد کہ نتواں بست مضمون ترا

.....

دلِ آسودۂ ما شورِ امکاں در نفس دارد　　گہر دزدیدہ است ایں جا عنانِ موجِ دریا را
بعرضِ بے خودی ہا گرم کن ہنگامۂ عشرت　　کہ می نامیدہ اند ایں جا شکستِ رنگِ مینا را
نمی سازد متاعِ ہوش با یوسف خریداراں　　بود نقدِ ز خود رفتن نگاہِ جلوہ سودا را
سبک روح ست شوقِ ما من آں سنگِ زمیں گیرم　　کہ در رنگِ شرر از خویش خالی می کنم جا را
بغیر از نیستی لوحِ عدم نقشے نمی گیرد　　اگر خواہی کہ گردی جلوہ گر آئینہ کن ما را
زشورِ بے نشانی بے نشانی شد نشاں بیدلؔ　　کہ گم گشتن ز گم گشتن بروں آورد عنقا را

.....

ز یک تخمِ شرر صد کشتِ عبرت کردہ ام خرمن　　کزیں مزرع درودن می دمد پیش از دمیدن ہا
نگہ در دیدۂ حیرانِ ما شوخی نمی دارد　　برنگِ چشمِ شبنم دُردِ ایں میناست دیدن ہا
ز اوجِ اعتبار آزاد گردا نیدۂ فقرم　　نباشد دامنِ کوتاہِ من مغرورِ چیدن ہا
مقامِ وصل نایاب است و راہِ سعی ناپیدا　　چہ می کردیم یارب گر نبودے نارسیدن ہا
ز نیرنگِ فسوں پردازیِ الفت چہ می پرسی　　تو در آغوشی و مے گشتہ دور از دَور دیدن ہا
دریں گلشن کہ رنگش ریختہ از گفتگو بیدلؔ　　شنیدن ہاست دیدن ہاست و دیدہ ہا شنیدن ہا

.....

قطرۂ ما تا کجا سامانِ خودداری کند　　بحر ہم از موجِ ایں جا می شمارد گام ہا
غیر دیر و کعبہ ہم صد جا تمنا می کشد　　زندگی یک جامہ است و ایں ہمہ احرام ہا

.....

ریاضت غرہ دارد زاہداں را لیک ازیں غافل　　کہ گر از خود تہی گشتند ۔پُر کردند پیماں را
ز بینائی ست از خارِ علایق دامن افشاندن　　نگاہ است آں کہ پردارد ز راہِ خویش مژگاں را
ز محوِ جلوہ ات شوخی سرِ موئے نمی بالد　　نگاہ از جوہرِ آئینہ باشد چشمِ حیراں را

.....

باریابی جو بخاکِ درِ صاحب نظراں　　چینِ دامانِ ادب کن خطِ پیشانی را
لافِ آزادگی از اہلِ فنا نازیباست　　دامنِ چیدہ چہ لازم تنِ عریانی را
چشم از جنبشِ مژگاں بشمارِ نفس است　　جلوہ ات برد ازیں آئینہ حیرانی را

.....

بیدلؔ اندر جلوہ گاہِ حسن طاقت سوز اوست　　جوہرِ حیرت زبانِ عذر خواہ آئینہ را

.....

چو تخم اشک بکلفت سرشتہ اند مرا　　بنا امیدیِ جاوید کشتہ اند مرا
بفرصت نگہے آخرست تحصیلم　　برأتِ رنگم و برگل نوشتہ اند مرا
طپیدن نفسم تار کسوتِ شوق است　　کہ در ہوائے تو بیتاب رشتہ اند مرا
ز آہِ بے اثرم داغ خام کاری خویش　　بآتشے کہ ندارم برشتہ اند مرا
چو چشم بستہ معمائے راحتم بیدلؔ　　بلغزشِ پئے مژگاں نوشتہ اند مرا

.....

داغ شوقم نیست الفت با تن آسانی مرا　　پیچ و تاب شعلہ باشد نقشِ پیشانی مرا
مدِ عمرم یک قلم چو شمع در وحشت گذشت　　آشیاں ہم بر نیاورد از پریشانی مرا
می روم از خویش در اندیشۂ باز آمدن　　ہمچو عمرِ رفتہ یارب بر نگر دانی مرا
راز داری ہا بہ معنی کوس شہرت بودہ است　　چوں حیا از پوشش عیب است عریانی مرا
احتیاجِ خود شناسی جوہرِ آئینہ نیست　　من اگر خود را نمی دانم تو می دانی مرا
جلوہ مشتاقم بہشت و دوزخم منظور نیست　　می روم از خویش در ہرجا کہ می خوانی مرا
می رود از موج بربادِ فنا نقشِ حیات　　تیغِ خوں خوار است بیدلؔ چینِ پیشانی مرا

.....

درخموشی ہمہ صلح و ہمہ جنگ ست ایں جا　　غنچہ شو دامنِ آرام بچنگ ست ایں جا
دیدہ بربند اگر ذوقِ تماشاے ہست　　صافیِ آئینہ درکسوت زنگ ست ایں جا

دو جہاں ساغرِ تکلیفِ زخود رفتن ماست
دلِ ہرکس بطپد قافیہ تنگ ست ایں جا

بیدلؔ افسردگیم شوخیِ آہے دارد
تاشرر نیست زخود رفتنِ رنگ ست ایں جا

.....

زہے چوں گل بیاد چیدن از شوقِ تو داماں ہا
چو صبح آوارۂ چاکِ تمنایت گریباں ہا

زچشمم چوں نگہ برجستی و از چشم محرومی
جدائی ماندہ چوں خمیازہ در آغوشِ مژگاں ہا

چہ شد گر تنگ شد برجسمِ آں گل جامۂ ہستی
در آغوشِ تنش واماندہ دارم طرح میداں ہا

باوجِ ہمتم افزود پستی ہائے عجز آخر
کہ در خورد شکستِ خود بود معراجِ داماں ہا

دلِ وارستہ باکون و مکاں الفت نمی گیرد
کہ ہست ایں مصرع برجستگیِ بیرونِ دیواں ہا

دراں محفل کہ رسوائی دہد کامِ دلِ عاشق
چوگل دامانِ مقصد پر شد از چاکِ گریباں ہا

بروئے چہرۂ بے مطلبی گر دیدہ بکشائی
دو عالم از رہِ نظارہ برخیزد چو مژگاں ہا

زعشقِ شعلہ خو برخاست دود از خرمنِ عالم
تپ ایں شیر آتش ریخت بیدلؔ در نیستاں ہا

.....

نبود بغیر نام تو ذکرِ زبانِ ما
یک حرف بیش نیست زباں در دہانِ ما

عمریست شعلہ تازیِ اشکِ روانِ ما
کو گرد حیرتے کہ بگیرد عنانِ ما

در پردہ ہائے عجز سرے وا کشیدہ ایم
چوں درد در شکست دل ست آشیانِ ما

گرد رمے بروئے شرارے نشستہ ایم
اے صبر بیش ازیں نکنی امتحانِ ما

صبح نفس متاعِ جہانِ ندامتیم
ناچیدہ رفتہ است بغارت دکانِ ما

از برگ و ساز قافلۂ بیخوداں مپرس
بے نالہ می رود جرسِ کاروانِ ما

چوں سیلِ بیخودانہ سوئے بحر می رویم
آگہ نہ ایم دستِ کہ دارد عنانِ ما

شوخی نگاہِ ما نفروشد چو آئینہ
عمریست تختہ است ز حیرت دکانِ ما

آہ از غبارِ ما کہ ہوا گیر شوق نیست
یعنی بخاکِ ریختہ است آسمانِ ما

بیدلؔ ہجومِ گریۂ مارا سبب مپرس
بے مقصد است کوششِ اشکِ روانِ ما

گہ از موئے میاں شہرت دہد نازک خیالی را
گہے از چینِ ابرو سکتہ خواہد بیت عالی را

پرِ پروانہ آتش خانہ سوزِ عافیت باشد
ز خاکستر طلب کن راحتِ افسردہ بالی را

قناعت پیشۂ کن آزِ کایں حرصِ غنا دشمن
کمیں گاہِ ہوس ہا کردہ وضع بے سوالی را

چہ امکانست بیدلؔ منعم از غفلت بروں آید
ہجومِ خواب خرگوش ست ایں جا شبہ قالی را

.....

ز بزمِ وصل خواہش ہائے بے جا می برد مارا
چو گوہر موج ما بیرونِ دریا می برد مارا

ندارد غیرتِ ما ناتواناں آں قدر کوشش
غباریم و طپیدن از کفِ پا می برد مارا

جنوں می ریزد از مارنگِ آتش خانۂ امکاں
کہ ہر جا مشت خارے شد تقاضہ می برد مارا

ندارد نشۂ آزادیِ ما ساغرِ دیگر
عیارِ دامن افشاند بصحرا می برد مارا

ز وحشت شعلۂ ما مژدۂ خاکستری دارد
پرافشانی بطوف بال عنقا می برد مارا

چو کارِ ناروائے عاجزاں باایں ہمہ پستی
بجز دستِ دعا دیگر کہ بالا می برد مارا

نہ گلشن راز مارنگے نہ صحرا راز ما گردے (مانگ)
بہر جا می رود شوقت از آں جا می برد مارا

گداز سینۂ طوفاں کرد دست از ما بشو بیدلؔ
نہ برد ایں سیل اگر امروز ۔ فردا می برد مارا

.....

صبحِ پیری اثر قطع امید ست ایں جا
تار و پود کفن از موئے سفید ست ایں جا

بگذر از زنگ کہ آئینہ اقبال صفاست
دود بر چہرۂ آتش شب عید ست ایں جا

جہدِ تعطیل صفت نقص کمال ذات است
یا بگو یا بشنو ۔ گفت و شنید ست ایں جا

زیں چمن بر رگِ گل دامنِ خوں آلود ست
حیرتم گشت ندانم کہ شہید ست ایں جا

بوئے یاس از چمن جلوۂ یاس ست امکاں
دیگر اے بیدلؔ غافل چہ امید ست ایں جا

.....

نیست با مژگان تعلق اشک وحشت پیشہ را
دانۂ ما دام راہ خویش داند ریشہ را

عشق بر دارد سہر مُہر از زبانِ عاجزاں
نالۂ یک نے بآتش می دہد صد بیشہ را

عیش ترکِ خانماں از مردم آزاد پرس
کس نداند جز صدا قدرِ شکستِ شیشہ را

گر نباشد بے تمیزی ہا مآلِ کارِ عشق
کوہکن برصورتِ شیریں نراند تیشہ را

مفلساں را بیدلؔ از مشقِ خموشی چارہ نیست
تنگ دستی باز می دارد ز قلقل شیشہ را

.....

غبارِ جنبشِ مژگاں ندارد چشمِ قربانی
قلم محوست ایں جا در صفائے نقش مطلب ہا

زگرد وحشتِ و ماندہ بختاں فیض می بارد
تبسم پاشی صبح ست چینِ دامنِ شب ہا

زباں در کام دُزدیدن وداعِ گفتگو کردم
سخن را کوسِ رخصت بود گویا بستنِ لب ہا

بہارِ بے نشانِ عالمِ نو میدیم بیدلؔ
سراغم می تواں کرد از شکستِ مطلبِ رنگ ہا

.....

دریں وادی چساں آرام باشد کارواں ہارا
کہ ہم دوشی ست باریگِ رواں سنگ نشاں ہارا

بتدبیر از غم کونین دشوار ست وارستن
مگر سوزد فراموشی متاعِ ایں دکاں ہا را

نفس سرمایۂ بیتابی ست افسردگی تا کے
مکن شمعِ مزارِ زندگانی استخواں ہا را

بجز کشتی شکستن ساحلِ امنے نمی باشد
کہ از وسعت فرو بُردست ایں دریا کراں ہارا

من وعرضِ نیاز۔ از عزت وخواری چہ می پرسی
کہ نقشِ سجدہ پیش از صدر خواہد آستاں ہا را

.....

جوہرِ تجرید قطع الفت خویش ست وبس
برسر خود می تواں کرد امتحاں شمشیر را

برشجاعت پیشہ ننگ ست از شجاعت دم زدن
حرفِ جوہر بر نیاید بر زباں شمشیر را

عاشقاں بسمل آہنگت مہیا کردہ اند
جبہۂ شوقے کہ داند آستاں شمشیر را

.....

ز برقِ ایں تحیر آب شد آئینۂ دل ہا
کہ رہ تا محمل ولیلیٰ ست بیروں تاز محمل ہا

چہ دنیاؤ چہ عقبیٰ سد راہ اوست اے غافل
بیا بگذر کہ از بہر گذشتن ہاست حائل ہا

دریں مزرع چہ لازم خرمن آرائے ہوس بودن
ولے باید بدست آری ہمیں تخم ست وحاصل ہا

چو اشک از کلفت پندار ہستی در گرہ بودم
چکیدم تا کہ از چشم خود و حل گشت مشکل ہا
کنار عافیت گم بود در بحر طلب بیدلؔ
شکست از موج ما گل کرد و بیروں ریخت ساحل ہا

.....

بہر جا می روم در حسرت آں شمع می سوزم
جہاں آتش بود پروانہ از بزم بیروں را
شعور جسم زندانے ست در پائے سبک روحاں
کہ چوں خط نقش بند دپائے رفتن نیست مضموں را
خیالِ ماسوا فرش ست در وحدت سرائے من
درون خویش دارد خانۂ آئینہ بیروں را
حوادث مژدۂ امن ست اگر دل جمع شد بیدلؔ
گہر افسانہ داند شورش امواج جیحوں را

.....

شکوہ جور تو نکشاید دہانِ زخم را
سرمہ باشد جوہر تیغت زبانِ زخم را
عاشقاں در سایۂ برق بلا آسودہ اند
ابر از تیغ ست چشم خوں فشانِ زخم را

.....

ہم چو عنقا بے نیاز عرض ایجادیم ما
یعنی آں سوے جہاں یک عالم آبادیم ما
شخص انساں شکوہ سنج غفلتِ احباب نیست
تا فراموشی بخاطر ہاست دریادیم ما
اشک پاشم اے اثر از حال ما غافل مباش
با دو عالم نالۂ خوں گشتہ ہمزادیم ما
نسبت محویت از ما قطع کردن مشکل ست
حسن تا آئینہ دارد حیرت آبادیم ما
یوسفستان ست عالم ما بخود چسپیدہ ایم
در کفِ شوق انتظارِ کلک بہزادیم ما
قید ہستی چوں نفس بال و پر پرواز ہست
ہر قدر بیدلؔ گرفتاری ست آزادیم ما

.....

با بد و نیک ست یک رنگی ہوس آئینہ را
نیست اظہار خلاف ہیچ کس آئینہ را
در حضور بزم دل مارا سر پرواز نیست
طوطی حیرانِ ما داند قفس آئینہ را
خامشی آئینہ دار معنی روشن دلی ست
نیست بیدلؔ چارہ جز پاس نفس آئینہ را

.....

چو بال موج نتواں شد نفس فرسودہ گوہر ہا　　برنگ شعلہ در طوفانِ آتش می زنم پرہا
سوادِ نسخۂ دیدار اگر روشن تواں کردن　　بآب حیرت آئینہ باید شست دفتر ہا
طمع از سعی بے حاصل عرق زیرست ازیں غافل　　کہ خاکِ عالمے گل می کند از آب کوثر ہا

.....

گم گشتگانِ وادی نیرنگ حیرتیم　　در گرد رنگ باختہ کن جست جوئے ما
چوں شمع سر بلندی عشاق مفت نیست　　آخر بقدر سوختن ست آبروے ما

.....

نالۂ ہا در شکنِ دام خموشی داریم　　خفتہ پرواز در آغوش شکست پر ما
رشک شمعیم کہ از خجلت اظہار نیاز　　با عرق می چکد از جبہہ خود گوہر ما
بسکہ جاں سختی ما آئینہ خجلت ماست　　ہرکہ شد آب ز دردِ تو گذشت از سر ما
بیدلؔ از ہمت مخمور مئے عشق مپرس　　بے گداز دو جہاں پر نشودِ ساغر ما

.....

اے بہار جلوہ بس کن کز خجالت بارہا　　در عرق شستند خوباں رنگ از رخسار ہا
عالمے بر وہم پیچید ست مانند حباب　　جز ہوا نبود سرے در زیر ایں دستار ہا
دست گاہ شوخیئے دارند دل ہائے دو نیم　　نیست بال نالہ جز واکردن منقار ہا

.....

تواں زد بے تامل صد زمین و آسماں برہم　　کف افسوس اگر باشد ندامت دستگاہاں را
صدائے از درائے کاروانِ عجز می آید　　کہ حیرت ہم براہے می برد گم کردہ راہاں را

.....

خراش مصرع شوخِ رمیدن درمیاں دارد　　نخواہم رفت اگر از خود کہ می گوید جوابش را

.....

سادگی باغے ست طبع عافیت آہنگ را　　وقف طاؤ سان رعنا کن گل نیرنگ را
زندگی در بند رسم و قید عادت بودہ است　　دست دست تست بشکن، ایں طلسم سنگ را

ہم چو بوے گل بوحشت دوش بردوشیم ما　　تا نفس باقی بود یک دست آغوشیم ما
زندگی تنہا و بال ماست از اقبال عجز　　نیستی ہم بار تکلیف ست تا دوشیم ما
شعلہ گر دارد مقام عافیت خاکسترست　　بہ کہ طاقت ہا بدست عجز نفروشیم ما
راہِ مقصد جز بسعی نالہ نتواں کرد طے　　چوں جرس بے درد ہم اے کاش نخروشیم ما
کے بود یارب کہ خوباں یاد ایں بیدلؔ کنند　　کز خیال خوش دلاں چو غم فراموشیم ما

.....

بہار اندیشۂ صد رنگ عشرت کرد بسمل را
کف خونے کہ برگ گل کند دامانِ قاتل را
دریں وادی حضور عافیت و اماندگی دارد
مدہ از کف بصد دست تصرف پائے در گِل را
ز کلفت گر دلت شد غنچہ گلزارش تصور کن
کہ خورسندی بآسانی رساند کار مشکل را
مپرس از شوخیِ نشوونمائے تخم حرمانم
شرارے داشتم پیش از دمیدن سوخت حاصل را
تفاوت در نقاب و حسن جز نامے نمی باشد
خوشا آئینۂ صافے کہ لیلیٰ دید محمل را
بہ بے آرامی ست آسایش ذوقِ طلب بیدلؔ
کہ اربابِ طریقت خار پا دانند منزل را

.....

عشق اگر در جلوہ آرد پرتو مقدور را　　از گداز دل دہد روغن چراغ طور را
اعتبار درد عشق از وصل برہم می خورد　　زنگ باشد التیام آئینہ ناسور را
کم ز بزم عیش بیدلؔ می نہد بزم ستار　　تار موج نالہ باشد کاسۂ طنبور را

.....

یک معنی فردیم که در وہم نہ گنجد ہر گہ بتامل نگری صورت ہم را
خورشید ز ظلمت کدۂ سایہ بروں ست تاکے ز حدوث آئینہ سازند قدم را
بر نقد بزرگان جہاں کیسہ بدوزند کایں طائفہ در کیسہ شمردند درم را
از آہ اثر باختہ ام باک مدارید تیغم عوض خوں ہمہ جاریختہ دم را
بیدلؔ چو صدف سہل بود گوہر نایاب از دیدۂ خود قطع مکن نسبت نم را

.....

سرخوش ایں غم شدم ز اندیشۂ بے حاصلی می دہد ساغر بطاق ابروے نسیاں مرا

.....

جبہۂ ما و ہماں سجدۂ تسلیم نیاز نقش پاکے کند از خاک تہی پہلو را
ہدف مقصد ما سخت بلند افتادست باید از عجز کماں کرد خم بازو را
طبع دوں از سر تقلید بہ نیکاں نرسد پا اگر خواب کند چشم نخوانند او را
در مقامے کہ بود جلوہ گر شوخیِ فکر جوہر از موے سرست آئینہ زانو را
بیدلؔ از بال و پر بستہ نیاید پرواز غنچہ تا وانشود جلوہ نہ بخشد بو را

.....

ہر چند گرانی بود اسباب جہاں را چوں نے بخمیدن نہ کشد نالہ کشاں را
عشرت ہوس رفتن رنگم چہ تواں کرد کردند بہارِ چمنِ شمع خزاں را
بیدلؔ نفس ہا روشِ عمر عیاں ست نقش قدم از موج بود آبِ رواں را

.....

عمر رفت و دامن نومیدی از دستم نہ رفت ناز بسیار ست بر من بخت واژونِ مرا
یک قدم دارم چو اشک۔ از خود روانی مشکل ست اے طپیدن گر توانی آب کن خونِ مرا

.....

بدل نقشے نمی بندد کہ باوحشت نہ پیوندد نمی دانم کدا میں بے وفا آئینہ چیدایں جا

گداز نیستی از انتظارم بر نمی آرد ز خاکستر شدن گل می کند چشم سپیدایں جا
ز سازِ الفت آہنگِ عدم در پردۂ گوشم نوائے می رسد کز بیخودی نتواں شنیدایں جا
بلند ست آں قدر ہا آشیانِ ما مگر بیدلؔ کہ بے سعی شکست بال و پر نتواں رسیدایں جا

.....

فنا مشکل کند منع طپش از طینت عاشق
بساحل می برد ہر موجِ ایں دریا تسلسل را
جنونِ ناتواناں را خموشی می دہد شہرت
بغیر از بو صدائے نیست زنجیرِ رگ گل را
فسردن گر ہمہ گوہر بود بے آبروئی گردد
مکن جہد آں قدر کز خاک برداری توکل را
بہ کنج چشم و عارض دستگاہ اے بے خبر شرمے!
غبار انگیز ازیں خاک و تماشا کن تجمل را
علاج زخم دل از گریہ کے ممکن بود بیدل
بشبنم بخیہ نتواں کرد چاک دامن گل را

.....

## ب

ذرہ تا خورشید اسباب جہاں سوز ندہ است
آخر از گلخن شرارے کردہ باشی انتخاب
ہستی ما پردۂ ساز تغافل ہائے اوست
سایۂ مژگانست ہر جا چشم بندد آفتاب

.....

می فزاید قدر دل از شرم چوں می گردد آب
از حیا آئینۂ مارا فزوں می گردد آب

بسکہ سر تا پائے من از درد بیتابی گداخت
ہم چو موجم در رگ و پے جائے خوں میگردد آب

منتہائے کار سالک می شود ہم رنگ درد
چوں ز شاخ و برگ در گل رفت خوں می گردد آب

شرم سودا می کند دل در ہجوم احتیاج
از فسونِ موج زنجیرِ جنوں می گردد آب

ہم چو شبنم سیل اشک ما بدامان ہوا ست
در گلستانِ محبت واژگوں می گردد آب

.....

فال تسلیم زن و دولت شاہے دریاب
گرد نے خم کن و معراج کلاہے درباب
چہ وجود و چہ عدم بست و کشاد مژہ است
چو شرر ہر دو جہاں را بہ نگاہے درباب

.....

غرور ہستی او را فنائے ماست دلیل
خم کلاہ محیط ست در شکست حباب
ما بامید گداز دل بخود بالیدہ ایم
یعنی ایں انگور ہم خواہد شدن فردا شراب
دور وہمی می تواں طے کرد چوں اوراق گل
ساغر ایں بزم رنگ ست و شکستن ہا شراب
امتیازے درمیاں آمد دورنگی نقش بست
کرد بیدلؔ ساغر مارا گل رعنا شراب

.....

باز در گلشن ز خویشم می برد افسون آب
در نظر طرز خرامے دارم از مضمون آب
بر نمی تابد دو رنگی طینت روشن دلاں
در رگ موجش ہماں آب است رنگ خون آب
وحدت از خودداری ما تہمت آلود دوئی ست
عکس در آب است تا ایستادۂ بیرون آب

ہستی عارف بقدر درست گاہ نیستی ست　　از گداز خویش دارد بحر اگر می دارد آب
تا عدم از ہستی ما قاصدے درکار نیست　　ہم ز موج رفتن خود نامہ بر می دارد آب

.....

دریں محیط کسے برد آبرو بیدلؔ　　کہ چوں گہر نفس خود گرفت تنگ در آب

.....

بہ گلشنے کہ حیا شبنم بہار تو بود　　گداخت آئینہ چندانکہ شد چمن مہتاب

.....

ہمیشہ سنگ دلاں اند نامدار طرب　　زخندہ نقش نگیں را بہم نباید لب
ہوس چہ گونہ کند شوخی از دل قانع　　بدامن گہر آسودہ است موج طلب
بہ پیش جلوہ طاقت گداز او بیدلؔ　　گزید جوہر آئینہ پشت دست ادب

.....

## ت

صاف دل ہرگز غبار خویش نماید بکس　　آں چہ در آئینۂ روشن بہ بینی زنگ اوست

.....

کاہش اہلِ زباں فطرت بیباک خودست　　شمع را برق فنا شعلۂ ادراک خودست
طوبیٰ ایں جا ثمرش قابل دل بستن نیست　　زاہد از بے خبری ریشۂ مسواک خودست
ضرر و نفع جہان ست بہ نسبت ورنہ　　زہر در عالم خود صاحب تریاک خودست
بیدلؔ از سادہ دلی آئینہ لبریز صفاست　　آب ایں چشمہ ز موج نظر پاک خودست

.....

تا کجا انجامد آخر ماجرائے داغ دل　　بر کباب خام دارم اخگرے پیچیدہ است
دین و دنیا چیست تا از الفتش نتواں گذشت　　پیش ہمت ایں دو منزل یک رہ خوابیدہ است
جیب و دامانے ندارد کسوتِ عریانیم　　چوں گہر اشکم ہمہ در چشم خود غلطیدہ است

ہم چو شبنم در تمنائے نثار تو گلے
داشتم اشکے نمی دانم کجا غلطیدہ است

سرگرانی لازم ہستی بود بیدلؔ کہ صبح
تا نفس باقی ست صندل بر جبیں مالیدہ است

.....

سرو چمن الفت دل شعلۂ آہ است
سر سبزی ایں مزرعہ را برق گواہ است

عزت طلبی ۔ جوہر تسلیم بدست آر
ایں جاخم طاعت ۔ شکن طرف کلاہ است

آئینہ ام و طاقت دیدار ندارم
ایں بادہ ندانم چہ قدر حوصلہ خواہ است

ہر چند جہاں وسعت یک گام ندارد
امّا اگر خویش بر آئی ہمہ راہ است

کو خجلت عصیاں کہ محیط کرمش راہ
آرائش موج از عرق شرم گناہ است

با حسن تو آساں نتواں گشت مقابل
حیرت چہ قدر آئنہ را پشت پناہ است

مشکل کہ شود وحشی ما رام تعلق
در خانۂ دل ہر نفسے مژدہ راہ است

بیدلؔ بہ گلستانِ خرامش چو گل زخم
تا نقش قدم صورت خمیازۂ آہ است

.....

بے توام جاے نگہ جنبش مژگانے ہست
یعنی از ساز طرب دود چراغانے ہست

کشتہ ناز تو ام بسمل انداز تو ام
گر ہمہ خاک شوم خاک مرا جانے ہست

محو گشتن دو جہاں آئنہ در بردارد
جلوہ کم نیست اگر دیدۂ حیرانے ہست

غنچہ ایں چمنِ کلفتِ دل تنگی چند؟
اے چمن محوِ گلت ، سیر گریبانے ہست

گر تامّل قفس جلوہ طاؤس شود
در شبستانِ عدم نیز چراغانے ہست

نشوی منکر سامانِ جنونِ بیدلؔ
کہ اگر ہیچ ندارم دل ویرانے ہست

.....

چو لالہ بے تو زبس رنگ اعتبارم سوخت
خزاں بباد فنا داد و نوبہارم سوخت

زمردمک نگہم داغ شد چو شمع خموش
فروغ دیدۂ بیدار شمع وارم سوخت

ز تختہ بازیم اے ناخدا چہ می پرسی
فلک کشید ز گرداب و برکنارم سوخت

غبار تربت پروانه می دہد آواز — کہ می تواں نفسے بر سر مزارم سوخت
دگر مپرس ز تاثیر آہ بے اثرم — بہ آتشے کہ ندارم ہزار بارم سوخت

.....

بسکہ از طرز خرامت جلوۂ مستانہ ریخت — رنگ از روے چمن چوں بادہ از پیمانہ ریخت
خاک صحرا موج مے شد از طپیدن ہاے من — چشم مستت خونِ ایں بسمل عجب مستانہ ریخت
اے خوش آں رندے کہ بر خاک خرابات فنا — رنگ آسائش چو اشک از لغزش مستانہ ریخت
ہر کجا بیدلؔ مکافات عمل گل می کند — دیدۂ ام از سرشک خویش خواہد دانہ ریخت

.....

دل ز برق شوخی حسنت سراپا آتش ست — از فروغ آفتاب آئینۂ ما آتش است
پیکرِ ما ہم چو شمع از گریۂ شادی گداخت — اشک ہر جا بنگری آب است ایں جا آتش است
بے ادب از موج اشک عاشقاں نتواں گذشت — آبلہ در پا اگر بشکست صحرا آتش است
نیست بیدلؔ بے قراری ہاے شوقم بے سبب — از دل گرم نفس را در تہ یا آتش است

.....

آزار ظالم از سبب دست گاہ اوست — بیدلؔ بخوں نشستن خنجر ز دستہ است

.....

کسے نداد نشاں از کمال شوکت عجز — جز ایں قدر کہ ہمہ سرکشی دو تا ایں جاست
دلیل معصیتم بسکہ ناتوانی بود — بہر کجا کہ رسیدیم گفت جا ایں جاست
بوصل لغزش پائے رسیدہ ام بیدلؔ — بیا کہ داد رس سعیِ نارسا ایں جاست

.....

مسوز شوقم مژدۂ آہنگ ساز بیخودی ست — نالۂ من چوں سپند افسانۂ خواب من است
گوشہ امنے ز چشم بستہ دارم چوں حباب — گر نظر وا می کنم بر خویش سیلاب من است

.....

ز غصہ چارہ ندارد دلے کہ آگاہ ست — فروغ گوہر بینش چو شمع جاں کاہ ست

کجا بریم ز راہت شکستہ پائی خویش　　ز خویش نیز اگر رفتہ ایم افواہ ست
بہ ہستی تو امیدست نیستی ہارا　　کہ گفتہ اند اگر ہیچ نیست اللہ ست
فریب ساغر ہستی مخور کہ چوں گرداب　　بہ جیب خویش اگر سرفرو بری چاہ ست
چگونہ عمر اقامت کند براہِ نفس　　گرہ نمی خورد ایں رشتہ بسکہ کوتاہ ست

.....

آگاہی و افسرگی دل چہ خیال ست　　تا دانہ بخود چشم کشود ست نہال ست
کے فرصت عیش ست دریں باغ کہ گل را　　گر گردش رنگ ست ہماں گردش سال ست
آئینۂ گل از بغل غنچہ جدا نیست　　دل گر شکند سر بسر آغوش وصال ست

.....

تا جنوں کیفیت افزاے من دیوانہ است　　حلقۂ زنجیر در چشم خط پیمانہ است
از حیا شد نالۂ بیتابیم در دل گرہ　　ریشہ ام چوں موج گوہر در طلسم دانہ است
غفلت من کم نشد از سرگذشت رفتگاں　　چوں رہ خوابیدہ ام آواز پا افسانہ است
من بہ اول گام از صحراے وحشت جستہ ام　　بیدلؔ ایں جا چینِ دامن ابجد طفلانہ است

.....

مشو غافل ز رمز ہستی من　　شکست این حباب آغوش دریاست
دریں محفل گداز رشک شمعیم　　نشاط از ہر کہ باشد کاہش از ماست

.....

آں شوق کہ در دل شررِ عشق و ہوس ریخت　　برق طپشے بود کہ رنگ ہمہ کس ریخت
شرمندۂ صیاد خودم چوں نفس صبح　　کز نیم طپش گردمن از چاک قفس ریخت

.....

اعتبار ما بخود واند گاں آشفتگی ست　　خاک اگر آئینہ می گردد غبارش جوہر ست
راحت جاوید فقر از جاہ نتواں یافتن　　خاک ساحل قیمت خود گر شناسد گوہر ست

.....

بسکہ ایں گلشن اندوہ کدورت رنگ ست　　نفس غنچہ بر آئینۂ شبنم زنگ ست
دوری دامن وصل ست بخود پیچیدن　　غنچہ گر وا شود از خویش گلشن در چنگ ست

.....

دل مصفا کردم و غافل کہ در بزم نیاز　　صاحب آئینہ گشتن کار خود بیں بودہ است

.....

ہیچ کس جز یاس غم خوار من دیوانہ نیست　　بر چراغ شعلۂ غیر از سوختن پروانہ نیست
چو گل از دور فریب زندگی غافل مباش　　رنگ می گردد دریں جا ساغر پیمانہ نیست
ہرگز افسونِ مژہ برہم زدن نشنیدہ ایم　　ما سیہ بختاں شبے داریم لیک افسانہ نیست
شیوہ مجنوں ز وضع نام داراں روشن ست　　سنگ بر سر کے زند خاتم اگر دیوانہ نیست

.....

شوکت شاہیم از فیض جنوں در قدم ست　　چشم زخمے نہ رسد آبلہ ہم جام جم ست
رحم بر شبنم ما کن کہ دریں عزلت گاہ　　آب گردیدن و از خود بگذشتن ستم ست
دیدہ برخاک عدم ہم مژہ برہم نزند　　گر بداند کہ تماشا چہ قدر مغتنم ست
عشق بے مشق تماشا نگذشت از دل ما　　صفحہ حیرت آئینہ عجب خوش قلم ست
ہیچ گہ سجدہ ز سیمائے وجودم بیدلؔ　　شاہد حال من آئینۂ نقش قدم ست

.....

رفتہ ام از خویشتن چنداں کہ می آیم ہنوز　　بے خودی از ماضیم طوفان استقبال ریخت
یک نفس چو سایہ گشتم غافل از خورشید عشق　　بر سراپایم سواد نامۂ اعمال ریخت
آبم از شرم سماجت پیشگان ایں چمن　　بہر یک لب خندہ نتواں آبروے سال ریخت

.....

اخگرے بودم نہاں در پردۂ خاکستری　　خود نمائی زیں لباسم نیز عریاں کرد و رفت
ایں زماں بیدلؔ چہ می جوئی نشان دل زما　　قطرۂ خوں بود چندیں ناز طوفاں کرد و رفت

در سایہ ابرو نگہت مست و خراب ست
چوں تیغ ز سر در گذرد عالم آب ست

خوش باش کہ در میکدۂ نشۂ تحقیق
مینائے اگر ہست ہماں رنگ شراب ست

فرصت طلبی دم انجام وفا نیست
تا بسمل ما گرم طپش گشت کباب ست

جز معنی سوزاز پر پروانہ نخواندیم
ایں صفحۂ آتش زدہ جزو چہ کتاب ست

بیدلؔ زسخن ہائے تو مست ست شنیدن
تحریک زبان قلمت موج شراب ست

.....

سادگی خود را اسیر فکر ہائے خام داشت
تا تحیّر بود در آئینہ عکس ابرام داشت

یاد آں شوقے کہ از بے طاقتی ہائے طلب
دل طپیدن بر سر راہت شمار گام داشت

دل نہ امروز از صفا نال صبوحی می زند
در کدورت نیز ایں آئینہ عیش شام داشت

عالمے را صید الفت کرد رنگ عجز و من
در شکست خویشتن مشت غبارم دام داشت

.....

چشم پوشیدیم یکساں شد بلند و پست دہر
عالمے را شوخی نظارہ ناہموار داشت

رخصت یک جنبش مژگاں نداد آگاہیم
حیرت ایں جا خواب ما از دیدۂ بیدار داشت

چوں گل شمعیم بیدلؔ بلبل باغ ادب
شعلۂ آواز ما جمعیت منقار داشت

.....

پیوستگی بحق زد و عالم بریدن ست
دیدار دوست ہستی خود را ندیدن ست

پرواز سایہ جز بسر بام مہر نیست
از خود رمیدنِ تو بحق آرمیدن ست

ایں یک دو دم کہ زندگیش نام کردہ اند
چوں صبح بر بساط ہوا دام چیدن ست

مارا برنگ شمع در عافیت زدن
از چشم خود ہمیں دو سہ اشک چیدن ست

تا سرحد فنا بقدم کس نمی رسد
بیدلؔ بخنجر نفس ایں رہ بریدن ست

.....

کاش ہجراں داد من می داد اگر وصلے نبود
شمع تصویرم کہ از من سوختن ہم ننگ داشت

.....

خندہ صبح ست کہ در بند گریبان گل ست
عیش موجست کہ سرگشتۂ طوفان گل ست

غنچہ ساں غفلت ما باعث جمعیت ماست
ورنہ بیداری گل خواب پریشان گل ست

دور بے ہوشی مارا قدحے لازم نیست
گردش رنگ ہمہ لغزشِ مستان گل ست

دیدۂ واکن و نیرنگ تجرد دریاب
ایں گلستاں ہمہ یک زخم نمایانِ گل ست

ہست رسوائی عشق آئینہ عزت حُسن
نالۂ بلبل بیدلؔ علم شان گل ست

.....

دلم بالفت ناز و نیاز می لرزد
کہ رنگ جلوہ حیریر ست و دیدہ نم ناک ست

.....

بر سر کام تو پاس نفس ست اے غوّاص
سر ایں رشتہ نگہدار گہر نزدیک ست

می گزد جو ہر آئینہ کفِ دستِ تہی
باخبر باش کہ افلاس و ہنر نزدیک ست

اگر از نعمت الواں نتواں کام گرفت
مغتنم دار کہ دنداں بجگر نزدیک ست

دوری کعبۂ مقصود ز خود بینی ہاست
اگر از خویش کنی قطع نظر نزدیک ست

حال بسمل ہمہ کس جُست و ندادند سراغ
آشیانے کہ بافشاندن پر نزدیک ست

ہمہ گویند جدا نیست ز ما دل برما
ما چنیں دور چرائیم اگر نزدیک ست

بیدلؔ آں جا کہ جنوں منصب دولت بخشد
نسبت آبلہ با دیدۂ تر نزدیک ست

.....

دل بیاد جلوۂ طاقت بغارت دادہ است
خانۂ آئینہ ام از تاب عکس افتادہ است

آہم و طرفے نمی بندم بالفت گاہ دل
بے دماغی ہائے شوقم سر بصحرا دادہ است

چوں نگاہے چشم بسمل بے تعلق می روم
قاصد بے مطلبیم و نامۂ ما سادہ است

زینہار ایمن مباش از اشک درد آلود من
گر ہمہ یک شبنم ست ایں طفل طوفاں زادہ است

بے قرارِ شوق بیدلؔ قابلِ تسخیر نیست
گر ہمہ در بند دل باشد نفس آزادہ است

.....

همه جاگم شدگاں آئینہ راز ہم اند　　من ز خود رفتہ ام و قرعہ بنام عنقاست
آں قدر سعی بآبادی ما لازم نیست　　خانۂ چشم بامداد نگاہے برپاست

.....

داغ شو زاہد کہ در آئین منزل گاہ عشق　　خاک گردیدن برآب افگندن سجادہ است
عقل کو تا جمع سازد خاطر اجزائے من　　عشق مشت خاک مارا سر بصحرا دادہ است
تا فنا در ہیچ جا آرام نتواں یافتن　　ہرچہ جز منزل دریں وادی ست یکسر جادہ است

.....

بیتاب فنا ایں ہمہ کوشش نہ پسندد　　آسودگی از جادۂ بسمل دو سہ گام ست

.....

مائیم و پاسبانی خلوت سرائے چشم　　بیروں رو اے نگاہ کہ ایں خواب گاہ اوست
بیتاب عشق اگر ہمہ ریگ رواں شود　　تاسر بجاست آبلۂ پا براہ اوست
شبنم بہ نیم چشم زدن جوہر ہواست　　آزادہ بیدلے کہ ہماں اشک آہ اوست
حیرت نگاہ شوکت نومیدی خودیم　　کایں ہفت عرصہ یک کف بے دستگاہ اوست

.....

معنیِ دود از کتابِ شعلہ انشا کردہ اند　　ہر کجا او جلوہ دارد نقد ہستی مفت ماست

.....

صندل فروش ناصیۂ عزتم چو صبح　　گردِ ببام رفتہ ام از آستان کیست
بگذار تا بعجز بنالیم و خوں شویم　　جرأت فروش عرض محبت زبان کیست

.....

اضطراب نبضِ دل تمہید آہنگ فناست　　شعلہ در بر پرفشاندن اند کے از خود صداست
حاصل کونین پامال ندامت کردنی ست　　دانۂ کشت امل را سودن دست آسیاست
شیوۂ خوباں عجب نازک ادا افتادہ است　　شوخی ایں جا تا عرق آلودمی گردد حیاست

.....

عرض نیرنگ طپش ہائے مرا تکرار نیست
اشک در مژگاں زدن در رنگ دیگر بسمل ست

آب می گردد ز شبنم صبح تا دم می زند
سینہ چاکاں را نفس برلب رساندن مشکل ست

از تلاشِ عافیت بگذر کہ در دریائے عشق
ہر کجا بے دست و پائی جلوہ گر شد ساحل ست

تا نہ گر دید آفت آسایشم نیرنگ ہوش
زیں معما بے خبر بودم کہ مجنوں عاقل ست

کوشش ما مانع سر منزل مقصود ماست
درمیان بسمل و راحت طپیدن حائل ست

.....

گہر زیاس کمر بر شکست موج بہ بست
دلے کہ پر شود از خود ز دشمناں خالی ست

ز حبیب ہر مژہ آغوش می چکد ایں جا
بیا کہ جائے تو در چشم دوستاں خالی ست

فریب منصب گوہر مخور کہ ہمچو حباب
ہزار کیسہ دریں بحر بیکراں خالی ست

بہ حبیب تست اگر خلوتے و انجمنے ست
بروں ز خویش کجا می روی جہاں خالی ست

.....

احتیاج ما سماجت پیشۂ اظہار نیست
آں چہ ما گم کردہ ایم از عرض مطلب مطلب ست

.....

چوں صبح ایں درے کہ برویت کشادہ اند
پاشیدن غبار نفس ہاست خندہ نیست

.....

زیر گردوں طبع آزادی نوائے برنخاست
بسکہ پستی داشت ایں گنبد صدائے برنخاست

در ہوائے مقدمش بیدلؔ براہِ انتظار
نقش پا گشتیم لیک آواز پائے برنخاست

.....

شوقِ غارت زدۂ انجمن دیداریم
ہر کجا آئینۂ خوں شدہ چشمِ تر ماست

عجز آئینۂ واماندگی ما نشود
طائرِ شوخی رنگیم شکستن پر ماست

تا بیک صفحہ ز صد نسخہ فراغت داریم
دل آشفتہ اگر جمع شود دفتر ماست

.....

چوں حباب آئینۂ ما از خموشی روشن ست
دم فرو بستن چراغ عیش مارا روغن ست
بشکنم دل تا شوم از نقش تحقیق آشنا
شخص ہم عکس ست اگر آئینہ در دست من ست

.....

گرم رفتارے کہ سر در راہ آں یکتا گذاشت
گام اول چوں شرر خود را بجائے گذاشت
الوداع اے نغمۂ فرصت کہ افسونِ عمل
عشرتِ امروز ما بنہاد یا فردا گذاشت
سجدۂ شکر فنا خاصِ کسے چوں شمع نیست
ہر کہ طے کرد ایں بیاباں سر بزیر پا گذاشت
ہم چو بیدلؔ ہر کہ زد در وادیٔ حیرت قدم
گام اول حسرت رفتن چو نقش پا گذاشت

.....

در خور غفلت نگاہی رونق ما و من ست
خانۂ تاریک ست اگر شمع تامل روشن ست
حلقۂ گرداب غیر از پیچش امواج نیست
عقدۂ کارے کہ من دارم ہجوم ناخن ست
خام کار الفتِ داغِ محبت نیستم
ہم چو آتش سوختن از پیکر ما روشن ست
اے ز تیغ مرگ غافل بر نفس چندیں مناز
نیست جز نقش حیات آں سر کہ موجش گردن ست
ضبط بیباکی ست در کیش جنوں ترک ادب
بے گریباں دست من پائے بروں از دامن ست
اشک مجنونم زبانِ درد من فہمیدنی ست
در چکیدن از مژہ تا دامنم یک شیون ست
معنی سوز ست بیدلؔ صورت آسایشم
جامہ احرام آتش سینہ داغ من ست

.....

امید کہ امروز بکوئے تو مقیم ست
گر بال کشایم دل پرواز دو نیم ست
سیلاب بدریا چہ قدر گرد فرو شد
ما تازہ گناہیم و عطائے تو قدیم ست
نیرنگی گلشن نشود ہم سفر گل
آئینہ ز خود می رود و جلوہ مقیم ست
بیدلؔ ز جگر سوختگی چارہ ندارم
با داغ مرا لالہ صفت عہدِ قدیم ست

.....

زندگی در پیچ و تاب سعی بے جا مردن ست
از طپیدن عالمے بسمل شد و قاتل نداشت

اشکم و گم کردہ ام از ضعف راہِ اضطراب ورنہ ایں رہ لغزش پا داشت گر منزل نداشت

.....

نیست ایمن از بلا ہر کس بفکر جست و جوست روز و شب گرداب را از موج خنجر بر گلوست
غفلت ما پردہ دار عمر بے تابی خوش ست چاک دامن نگہ را بستن مژگاں رفوست

.....

ہر قدم در راہ الفت داغ و درد سایہ ام کز ضعیفی تا سر کویت سیہ تابیدو رفت
شمع ایں محفل سراغ گوشۂ امنے نداشت چوں نگہ خود را ہماں در چشم خود دز دیدو رفت
رنگ آسایش ندارد نو بہار باغ دہر شبنم ایں جا یک سحر بر برگ گل خندیدو رفت
اے سحر در اشکِ شبنم غوطہ می باید زدن کز شکستِ رنگ بر ما عافیت خندیدو رفت

.....

بیا کہ ہیچ بہارے کہ بحسرت ما نیست شکستہ رنگی امید بے تماشا نیست
اگر ز وہم بر آئی چو موج کو گرداب جہاں بخویش فرو رفتہ است دریا نیست
بہر چہ می رسی از خود گذشتنے دارد بہوش باش کہ امروز رفت و فردا نیست
بنا امیدی ما رحمے اے دلیل فنا کہ آشیاں ہوسیم و در انجمن جا نیست

.....

اشک یک لحظہ بمژگاں بارست فرصت عمر ہمیں مقدار ست
نہ کشد شعلہ سر از خاکستر نفس سوختگاں ہموار ست
مردہ ہم بیم قیامت دارد آرمیدن چہ قدر دشوار ست

.....

ایں قدر وہم ز آغوش نگہ می نالد دیدہ ہر گہ مژہ آورد بہم عالم نیست

.....

غافل مباش از دل یاس انتخاب من ایں قطرہ از گداز دو عالم چکیدہ است
گل جام خود عبث بشکستن نمی دہد صاف طرب بشیشہ رنگ پریدہ است

کم آب ست آں قدر دریائے ہستی　　کز و تا دست می شوئی سراب ست

.....

## ح

از کواکب گل فشاند چرخ در درمانِ صبح　　آفتاب آئینہ کارد در جولانِ صبح
سینہ چاکاں خالی از موجِ ملاحت نیستند　　ہم چو زخم دل نمک دارد لب خندانِ صبح

.....

نداشت چشم ترم بسکہ تابِ خندۂ صبح　　ز اشک داد چو شبنم جواب خندۂ صبح
تبسم گل چاک دلم نمک دارد　　ملاحتے ست نہاں در نقاب خندۂ صبح
نوشتہ اند دبیران دفتر نیرنگ　　بروز نامچۂ گل حساب خندۂ صبح
ز بسکہ فیض رسا دیدہ ام برسوائی　　ز جیب باز کنم انتخاب خندۂ صبح
بعیش اگر نفسے می کشی مباش ایمن　　کہ می کشند ز شبنم گلاب خندۂ صبح

.....

## د

غفلت چہ فسوں خواند کہ در خلوت توحید　　(تصوف بغیر تمثیل)　　برگشت نگاہم ز خود و آئینہ بیں شد

.....

یا رب شکست من بچہ افسوں شود درست　　دارم دلے کہ پیش تر از من شکستہ اند
ما عاجزاں ز کوئے تو دیگر کجا رویم　　در پائے رشتہ ہا سر سوزن شکستہ اند
سنگے ز ننگ عجز تمنائے ما نخورد　　مارا ہماں ز شرم شکستن شکستہ اند

.....

ز خود برآمد گاں یک قدم فلک بازند　　نفس دو گام گذشت از خود و فغاں گردید
کباب سعی غبار خودم کہ ایں کف خاک　　در آرزوے تو مُرد آں قدر کہ جاں گردید

بروزگار مثل گشت بے زبانیِ من　　خموشی آں ہمہ خوں شد کہ داستاں گردید

.....

آتش شوق طلب آں جا کہ روشن می شود　　گر ہمہ مژگاں بہم آرند دامن می شود
ما ضعیفاں لغزشے داریم اگر پرواز نیست　　سایہ را از پا فتادن پائے رفتن می شود

.....

اگر ایں ست عیش خاکساری　　ز پستی ہم تنزل می تواں کرد

.....

ز بس لطف و قہرش ہمہ خوش اداست　　نگہ می کند گر تغافل کند

.....

ہوا بر برگِ گل تمکین شبنم می کند حاصل　　نگاہ شوخِ ماہم کاش بر رویش حیا گردد
(صائبؔ نے یہ مضمون بیدلؔ سے بہتر کہا ہے۔
نہ چہرہ اش عرق از گرمی ہوا کر دست　　نگاہ را رخ او آب از حیا کرد ست)

.....

جہاں گذر گہ آئینہ است وما نفسیم　　تو ہم درو نفسے باش اگر توانی بود

.....

قدح بدست چمن زار شوق کیست بہار　　کہ گل بچہرۂ ساغر کشیدہ می ماند

.....

برائے خاطرم غم آفریدند　　طفیل چشم من نم آفریدند
طلسم زندگی وحشت بنائے ست　　نفس را یک قلم رم آفریدند
اگر عالم برائے خویش پیداست　　برائے من مراہم آفریدند

.....

تا نظر باز کردۂ ہیچ ست　　عمر برقِ شرار را ماند

مژہ وا کردنے نمی آرد　　ہمہ عالم غبار را ماند
محو یاریم و آرزو باقی ست　　وصل ما انتظار را ماند

.....

غنچہ ساں دانۂ اشک مژۂ شاخِ گلم　　قطرہ ام خوں شود اما بچکیدن نرسد
بالِ بے طاقتیِ بسملِ ما کوتاہ ست　　دست ایں موج بدامان طپیدن نرسد
بہرہ کز صحبتِ نیکاں نبرد دوں ہمت　　اشک تا سرحدِ بینش بدویدن نرسد

.....

ز اعتبار عشق دارد حسن بال سرکشی　　طرح زلفت از شکست خاطر ما ریختند
سینہ چاکاں را دماغ سخت جانی ہا نبود　　از شکست رنگ ہم چوں گل سراپا ریختند

.....

چہ شد کہ اشک برنگ جگر نمی تابد　　بہار حسرت ما رنگ بر نمی تابد
نزاکتے ست در آئینہ خانۂ ہستی　　کہ چوں حباب ہوائے نظر نمی تابد
نگاہ ما ز تماشاے غیر مستغنی ست　　بروں ز خویشِ چراغ گہر نمی تابد

.....

نفس ز فیض تامل فروغ دل گیرد　　گرہ برشتہ ما کم تر از گہر نبود
ز سیل حادثہ ایمن بود دل روشن　　ز آب خانۂ آئینہ را خطر نبود

.....

خلوتِ توحید عشقت بر نفس تنگی کند　　خانۂ آئینہ دل بر دوکس تنگی کند
بوئے گل راغنچۂ دام پیچ وتاب وحشت ست　　آشیاں بر طائر ما چو قفس تنگی کند
شکوۂ مردم زگردوں بیدل از کم ہمتی ست　　نالہ در پرواز آید چوں نفس تنگی کند

.....

سرو برگِ طلبے کو کہ نفس سوختگاں　　بیم لغزش بہر از آبلہ ساماں کردند

حسرت دل ایں قدر ہا شور بالیدن نداشت ما ہماں یک نالہ ایم، اما جہاں کہسار بود
سرمۂ غیرت عبث از وضع دہر انباشتم دیدۂ مارا غبار خویش ہم بسیار بود
باب رسوائی ست از بس تار و پود کسوتم دست اگر در آستیں بردم گریباں زار بود

.....

در دلم شعلہ شور آہ نوا می پیچد دود در ساغر داغم چو صدا می پیچد
نالۂ من صفتِ شور قیامت دارد کہ بساط دو جہاں را بہ صدا می پیچد

صائبؔ کا رنگ:۔

دل چو آزاد از تعلق شد منور می شود قطرہ چوں از موج دامن چید گوہر می شود
در خموشی بس حلاوت ہائے از نے کن قیاس چوں نوا در دل گرہ گردید شکر می شود
سجدۂ سنگیں دلاں آئینۂ نامحرمی ست میلِ آہن گر دو تا شد حلقہ در می شود
بے نصیباں را ہدایت مایۂ گمراہی ست سایہ را رنگ از فروغ مہ سیہ تر می شود
ترک تمکین است بیدلؔ خواری اہلِ نظر اشک را از بے قراری خاک برسر می شود

عاشقانہ:۔

پئے قلتم چہ دامن برزند شوخے کہ در دستش بجائے جوہر شمشیر چینِ آستیں باشد

.....

در عرق تا گلِ رویت ز نظر می گذرد از حیا چوں عرقم آب ز سر می گذرد

.....

در بیابانے کہ شور بیخودی رہبر شود راہِ صد مقصد بیک لغزیدن پا سر شود
جزو ہا در عقدۂ خودداری از خود غافل اند نقطہ از ضبط عناں گر بگذرد دفتر شود
سیل بیتاب مرا یارب نہ پیوندی بہ بحر ترسم ایں جزو طپیدن مایۂ گوہر شود
نیست آساں مے کشی ہائے بہشت عافیت فرصتے گوید کہ دل خوں گردد و کوثر شود
تا دہد ہر ذرہ من عرض حسرت نامہ ایں کف خاکے کہ دارم کاش مشت پر شود

دام گاہ شوق چوں من صید محروے نداشت　　نالہ داری ہم نبود از من کہ صیادم رسید

.....

حرفے ست بنفش آمدہ نیرنگ در عالم　　آخر بشنیدن چہ مدارست بہ بینید
در بحر چو گوہر نتواں چشم کشودن　　امروز کہ گوہر بکنارست بہ بینید

.....

نگذاشت فلک با تو مقابل دل مارا　　فریاد کہ آئینہ بدست دگرے بود
آخر ز خودم بُرد براہِ تو نشستن　　آسودگیِ شعلہ غبار سفرے بود
دل کشتہ یکتائی حسن ست و گرنہ　　در پیش تو آئینہ شکستن ہنرے بود

.....

تنگنائے غفلتی چوں دستگاہ ہوش نیست　　ذرۂ ما گر رود از خود جہانے می شود
راحت جاوید در ضبط عنان آرزوست　　بال و پر گر جمع گردد آشیانے می شود
اوجِ عرفاں را کہ برتر از کمندِ گفتگوست　　ہر کہ از خود می بر آید نرد بانے می شود

.....

دل دار گذشت و نگہ باز پسیں ماند　　از رفتن او آنچہ بما ماند ہمیں ماند
دیگر چہ نثار تو کند مشت غبارم　　یک سجدہ جبیں داشتم آں ہم بزمیں ماند

.....

دل ز پیچ و تاب خود اندیشہ پیدا می کند　　دانہ ام از بے قراری ریشہ پیدا می کند
عرصۂ آفاق جائے جلوۂ یک نالہ نیست　　نے گرہ از تنگی ایں بیشہ پیدا می کند
بیدلؔ از فیض تامل در گلستاں جہاں　　بوئے معنی غنچۂ اندیشہ پیدا می کند

.....

روشن دلاں چو آئینہ بر ہرچہ رو کنند　　ہم در طلسم خویش تماشاے او کنند
خاکے چو موج بحر ندارد جبینِ شاں　　قومے کہ از گداز دل خود وضو کنند

لب تشنۂ ہوائے ترامی سزد اگر　　چونے بجائے آب نفس در گلو کنند
مضمون تازہ بے نقط انتخاب نیست　　ہر جا دلے بود گرہ زلف او کنند
عنقا ست در قلمرو امکاں بقائے عیش　　کاینجا بہار قفس از رنگ و بو کنند
در بحر کائنات کہ صحرائے نیستی ست　　عین تیمم ست بہر جا وضو کنند
ایں موج ہا کہ گردنِ دعویٰ کشیدہ اند　　بحر حقیقت اند اگر سر فرو کنند

.....

ز فیض سوختن ہا دست گاہ ما رسا باشد　　چو آتش برسر ما دود دل بال ہما باشد
بامید صفا زنگ از رخ آئینہ می خیزد　　نگہ مژگانِ برہم بستۂ مارا عصا باشد
زبانِ ما بود مضرابِ سازِ نکتہ پردازی　　بتارِ مسطر ایں جا شوخی معنی صدا باشد
ندارد بزمِ پیری نشۂ از زندگی بیدلؔ　　چو قامت حلقہ گردد ساغر دور فنا باشد

.....

بغیر از داغ نبود چارہ زخم خاکساراں را　　کہ چاک جادہ موج بخیہ از نقش قدم دارد
دل از ہم دوشی عکس تو بر آئینہ می لرزد　　کہ او مست مئے نازست وایں دیوارنم دارد
نوائے خامشاں در پردۂ دودِ دل ست ایں جا　　نگوئی شمع تنہا گریہ دارد نالہ ہم دارد

.....

ز دل یک حرف بے شور شکستن برنمی آید　　ایں مینا شرابے غیر شیون برنمی آید
حیا کوتاہ می دارد زبان موجِ گوہر را　　ز زنجیر کہ درآب ست شیون برنمی آید
کمی از خویش باشد عقدہ فرسائے دل تنگم　　کشاد کار گوہر غیر سودن برنمی آید
غرور سرکشی ہا ابجد نشو و نما باشد　　ز تخم اول بجز رگ ہائے گردن برنمی آید
نمی ریزد ز چشم عیب پوشاں اشک نومیدی　　گرہ از دیدۂ حیران سوزن برنمی آید
شکست چشم بیدلؔ مطلع خورشید دل باشد　　کہ گوہر از صدف ہا جز شکستن برنمی آید

[اشارہ: بیدلؔ نابینا ہو گئے ہوں گے ورنہ دوسرے محروم بصارت کا حال لکھنے کا کیا محل تھا۔۱۲]

چراغ عاشقاں باشد بہار شرم معشوقاں　　کہ آں جا تا حیا می بالد ایں جا رنگ می گردد

[اشارہ: دوسرا مصرع نہایت عمدہ ہے۔ پہلا کچھ نہیں۔۱۲]

.....

ز برگِ گل سراغ غنچہ گم گشتہ می گردد　　کہ از چشم تحیر رفتن دل نقش پا دارد

.....

بود در انفعال ہرزہ گردی نشۂ تمکیں　　ہوا ایجاد شبنم می کند چو آب می گردد

.....

سحر آہ و گلستاں نکہت و بلبل فغاں دارد　　بہ نیرنگی جہانے قاصد حسرت نہاں دارد
تامل گر کنی ہر کس برنگ می رود از خود　　طپش ہائے کہ دارد بحر، گوہر ہم ہماں دارد
بلندی ہا بہ پستی متہم شد از تن آسانی　　براحت گر نہ پرواز د زمیں ہم آسماں دارد
زبال افشانی برق شرر آواز می آید　　کہ ایں جا گر ہمہ سنگ ست دامن برمیاں دارد

.....

شب کہ در بزم طرب قانون حیرت ساز بود　　اضطراب رنگ برہم خوردن آواز بود
صافی دل کرد لوح مشق صد اندیشہ ام　　یاد ایامے کہ ایں آئینہ بے پرواز بود
دوری وصلش طلسم اعتبار ما شکست　　ورنہ ایں عجزے کہ می بینی غرور ناز بود
عشق بے پروا دماغ امتحانِ ما نداشت　　ورنہ مشتے خاکِ ما ہم قابل پرواز بود
ہستی ما نیست بیدلؔ غیر اظہارِ عدم　　تا خموشی پردہ از رخ بر فگند آواز بود

.....

شب کہ دریا دت سراپایم زبانِ نالہ بود　　خواستم رنگے بگردانم عنانِ نالہ بود
کس نیامد محرمِ راز نفس دزدیدنم　　ورنہ ایں شمعِ خموش از دودمانِ نالہ بود
یاد آں محمل طرازی ہائے گر بیخودی　　کز دلم تا کوئے جاناں کاروانِ نالہ بود
حسرتِ دیدار نیرنگے عجب درکار داشت　　ہر قدر دل آب شد آتش بجانِ نالہ بود

درد عشق از بے نیازی فال معراجے نزد　　ورنہ چوں نے بند بندم نردبانِ نالہ بود

.....

طبع خاموشاں بنور شرم روشن می شود　　در چراغِ حسنِ گوہر آب روغن می شود
در سوادِ فقر گیرد شعلۂ ادراک نور　　چوں جہاں تاریک گردد شمع روشن می شود
برسر آمد مدت عمر از تگ و پوئے نفس　　رشتہ چوں رہ کونہ از رفتار سوزن می شود
شد زبانم از حیا کوتہ کہ موجِ بحر را　　بال پرواز از پرو بال طپیدن می شود

.....

بسکہ ہر عضو من از شوق جنوں بالیدہ است　　وسعت دامانِ داغم کار صحرا می کند
دیدۂ مارا خمارِ نشۂ رفتار بود　　شاعرِ خمیازہ چوں نقش کفِ پا می کند
غنچہ می گوید بہ بلبل کاندریں گلزار درد　　عقدۂ دل ناخن آشفتگی وا می کند
در بیابان طلب بیدلؔ تامل رہزن ست　　کار امروز ترا اندیشہ فردا می کند

.....

می زنم از شوق پرواز فنا بال نفس　　بحر دست از موج دارد جانب ساحل بلند
دست گاہ خاک ساراں کم ز اہلِ جاہ نیست　　می شود چوں موج دریا گرد از ساحل بلند
آتش افسردہ را پرواز اوج شعلہ کو　　تشۂ مے کے بود چوں فطرت بیدلؔ بلند

.....

عرض ہستی زنگ بر آئینہ دل می شود　　تا نفس خط می شود ایں صفحہ باطل می شود
در پناہ دل تواں رست از کمند اضطراب　　بر گہر موجے کہ خود را بست ساحل می شود
بسکہ ما حسرت نصیباں وارث بے تابیم　　می رسد بر ما طپیدن ہر کس بسمل می شود
[اشارہ:۔ خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ　　سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے]
گر بسوزد آہ مجنوں بر رخ لیلیٰ نقاب　　شرم می بالد بخود چنداں کہ محمل می شود
مژدہ اے بیدلؔ کہ امشب از تغافل ہائے یار　　آرزو ہر بار خوں می گردد و دل می شود

عشق ہر جا ادب آموز طپیدن باشد　　خون بسکل عرقِ شرم چکیدن باشد
رفتہ از خود و تہمت کش آسودگیم　　حیرت آئینہ را کاش طپیدن باشد

.....

گر چنیں اشکم ز شرم پر گناہی می رود　　ہم چو ابر از نامہ ام رنگ سیاہی می رود
لنگر آسائش دل ہا شکست آرزوست　　موج چوں ساکن شد از کشتی تباہی می رود
سعی قاتل را تلافی مشکل ست از بسملم　　تا بہ عذر آیم زباں از عذر خواہی می رود
سر خوشِ پیمانۂ نازِ محیطِ جلوہ ایم　　موج ما از خود بدوشِ کج کلاہی می رود

.....

بحر لبریز شکست از پیچ و تاب موج ہاست　　آب می گردد دراں چشمے کہ مژگاں بشکند
راحت اہل فنا خواہی مخواہ آرام دل　　کز شکستِ شیشہ رنگ مے پرستاں بشکند
[یعنی، اہلِ فنا کی سی راحت]

.....

نظر از نقش ہستی بستن ست آخر، خوشا چشمے　　کہ از آغاز ما خود نسخۂ انجام بردارد

.....

کسے معنی بحر فہمیدہ باشد　　کہ جوں موج برخویش پیچیدہ باشد
شود پائمال حوادث دریں راہ　　چوں نقش قدم ہرکہ خوابیدہ باشد
کسے را رسد مے پرستی کہ چوں لب　　بگرد لب جام گردیدہ باشد

.....

در بساط خاک دان دہر نتواں یافتن　　آں قدر گردے کہ تعمیر شکست ما کند
قیمت وصلش ندارد دست گاہ کائنات　　نقدِ ما ہیچ ست شاید ہم بما سودا کند

.....

آں جا کہ خیال تو دہد عرض تجمل　　تنہائیم از ہر دوجہاں بیش برآرد

[اشارہ:۔ ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو]

امروز درِ بستہ بروئے ہمہ باز ست آئینہ مگر حاجتِ درویش برآرد
با برق سواراں چہ کند سعی غبارم واماندگیِ ہست اگر پیش برآرد

.....

گل نہ کرد آہے کہ برما خنجر قاتل نشد آرزو برہم نزد بالے کہ دل بسمل نشد
ذوق آغوش دوئی در وصل نتواں یافتن بے خبر مجنون ما لیلیٰ شد و محمل نشد
در لباسِ قطرہ نتواں تلخی دریا کشید مفت آں خونے کہ خاکستر شد اما دل نشد
عافیت گر ہست نفس پردۂ واماندگی ست حیف پروازے کہ آگہ از دل بسمل نشد
غیر من زیں قلزم گوہر خیال گل نکرد عالمے صاحب دل ست اما کسے بیدل نشد

.....

گہے برسر۔ گہے بردل۔ گہے دردیدہ جادارد غبار راہ جولان تو باما کارہا دارد
اگر موجیم ۔ یا بحریم ۔ یا آبیم ۔ یا گوہر دوئی نقشے نمی بندد کہ مارا از تو وا دارد
سبب کم نیست گر برہم ساز تعلق را چو مژگاں ہر کہ برخیزد زخود چندیں عصا دارد

.....

کجا بلبل دریں گلزار حیرت بال و پر دارد ز اوراق کتاب رنگ گل جزوے نہ بردارد
تحیر نقش نیرنگ دو عالم سوخت در چشمم چراغ خانۂ آئینہ ام برق دگر دارد

.....

مرا ایں آبرو در عالم پرواز بس باشد کہ از ہر چاک درخمیازۂ شوقم قفس باشد
چناں در دام گاہ حیرت از پرواز محرومم کہ چوں مرغِ نگاہم سایہ مژگاں قفس باشد
عماری کن بداغ حیرتے ویرانہ دل را بنائے خانۂ آئینہ یک دیوار بس باشد

.....

مبصران حقیقت کہ سر بسر ہوش اند برنگ چشمۂ آئینہ فارغ از جوش اند

نیند چوں صدف از شور ایں محیط آگاہ　　ز مغز ہوش کسانے کہ پنبہ در گوش اند
مقیدانِ تو از لذت گرفتاری　　ز چشم خویش چو نظارہ دام بردوش اند
درون کسوت پیری بعیش کوش کہ خلق　　چو ساغر از گل مہتاب پنبہ درگوش اند
کجا رسیم بیاد خرام او بیدلؔ　　کہ ہم چو نقش قدم عاجزاں فراموش اند

.....

محفل ہستی بتحریک دلے آراستند　　دانۂ در جنبش آمد حاصلے آراستند
ذرہ تا خورشید بال افشاندن اشک فناست　　عرصۂ امکاں ز رقص بسملے آراستند
بے نیازی ہا بطوفان عرق داد احتجاج　　کز نم خجلت جبینِ سائلے آراستند

.....

مدعا دل بود اگر نیرنگ امکاں ریختند　　بہر ایں یک قطرہ خوں صد رنگ طوفاں ریختند
شبنم مارا دریں گلشن تماشا مفت نیست　　صد نگہ شد آب تا یک چشم حیراں ریختند

.....

مکتوب شوق ہرگز بے نامہ بر نباشد　　باید ز خویش رفتن قاصد اگر نباشد
امروز قدر ہرکس مقدار مال و جاہ ست　　آدم نمی تواں گفت آں را کہ خر نباشد
مارا برنگ شبنم تا آستان خورشید　　باید بدیدہ رفتن گر بال و پر نباشد
آں بہ کہ برق غیرت بنیاد ما بسوزد　　آئینہ ایم و مارا تاب نظر نباشد

.....

بحیرت رفتہ ام از سیر ایں گلشن چہ می پرسی　　نگاہ بے خوداں از عالم تصویر می آید

.....

نالۂ کز سینہ ام پا می کشد　　دامن دل را بصحرا می کشد
اہل غفلت می رمند از آگہی　　سایہ از خورشید خود را می کشد
الفت زر می کند دل را سیاہ　　آخر ایں صفرا بہ سودا می کشد

بارِ ما بیدلؔ بدوش عاجزی ست  سایہ را افتادگی ہا می کشد

.....

## صاف وسادہ غزل

نگاہِ چشم تو ہم صحبتِ ادا نشود  شراب جام تو بارنگ آشنا نشود
علاج خستہ دل ہا مجوز طبع داشت  کہ نرم تا نشود سنگ توتیا نشود
بخامشی ست چناں عہد ما کہ گر شکند  صدا ز شیشۂ دل ہائے ما جدا نشود
چنا بفقر ز دامِ تعلق آزادم  کہ جوہر تن ما نقش بوریا نشود
بچشم حرص پرست آں قدر گماں دارم  کہ خاک گردد و ایں زخم را دوا نشود
قسم بدامِ محبت کہ از خم الفت  دل شکستۂ من چوں شکن جدا نشود
دل از غبار تعلق نمی تواں برداشت  نسیم گلشنِ عبرت اگر عصا نشود
تواں شد آئینۂ بحرِ بیخودی چو حباب  اگر غبار نفس سدّ راہِ ما نشود
بغیر سرکشی از ابلہاں مجو بیدلؔ  کہ نخل ایں چمن از بے بری دو تا نشود

.....

تو سیل کاری اشک نیاز ما دریاب  کہ آرزو چہ قدر بے تو آب می گردد

.....

عالم از ہرزہ دوئی ہاست کہ بر ما تنگ ست  گرد ما گر شکند دامن صحرا دارد
مقصد نالۂ دل از من مدہوش مپرس  شوق مست ست ندانم چہ تقاضا دارد

.....

ہم چو آئینہ زبانِ گفتگوے راز بند  ساغر چشم تحیر شو لب از آواز بند
عاقبت بینی نظر پوشیدن ست از عیب خلق  انچہ در انجام خواہی بستن از آغاز بند
بے نیازی ہا ز اسباب تعلق رستن ست  از سر خود ہرچہ وا کردی بدوش ناز بند

.....

اہل تمکیں را ز موج گفتگو تشویش نیست  در دل دریا گہر را آبرو لنگر بود

شب کہ در بزمت صلائے سوختن میداد عشق　　نالۂ شوق سپندم ہرچہ بادا باد بود
مفت ما گر سعی ناکامے باستغنا زدیم　　ورنہ دل مستقی و عالم شراب آباد بود

.....

## ر

خاک ما نامہ ہا بجانب یار　　می نویسد مگر بخط غبار
طائر گلشن قناعت را　　می شود دانہ بستن منقار
سرکشی سنگ راہ آزادی ست　　کوہ صحرا ست گر شود ہموار
سرِ اہل غرور شمع صفت　　از رگ گردن ست بر سردار
منعم و آگہی چہ امکان ست　　مخمل از خواب کے شود بیدار
دم پیری ز خود مشو غافل　　صبح را نیست در نفس تکرار
بیدل از حیرت رخش بچمن　　برگ گل ماند پشت بر دیوار

.....

گر شوق پرستی ز نفس آئینہ بر گیر　　ہر چند رہت قطع شود باز ز سر گیر
تا کہ چو گہر در گرہ قطرہ فشردن　　طوفان شو و آفاق بیک دیدۂ تر گیر
خودداری و اندیشۂ دیدار محال ست　　دل را بطپش آب کن و آئینہ بر گیر
بیدلؔ برہِ عشق ز منزل اثرے نیست　　تا آبلۂ گر برسی مفت سفر گیر

.....

زبسکہ آتش شوق تو در جگر دارم　　چو اخگرم عرق چہرہ است خاکستر
مناز بر ہنر اے سازِ دل کہ آئینہ ہم　　ز دست جوہر خود خاک می کند بر سر
بطبع خشک مزاجاں سخن موثر نیست　　ز آب نظم نگردد دماغ کاغذ تر
ز سلک نظم بس ست آبروے ما بیدلؔ　　کہ رشتۂ گہر ماست از خط مسطر

# ز

رنگ طاقت سوخت اما وحشت آغازم ہنوز　　چشم بر خاکستر بال ہست پروازم ہنوز
زندگی وصل ست اما گو نگاہ امتیاز　　چوں نفس صیدم بفتراک ست ومی تازم ہنوز

.....

# س

زندگانی نیش آزار ست و بس　　غنچۂ دل را نفس خار ست و بس
درتحیر لذت نظارہ نیست　　دیدۂ آئینہ بیدار ست و بس
از شکست دل گذشتن سہل نیست　　کیں بیاباں نیشتر زار ست و بس
سروراں را از پریشانی چہ باک　　طرہ بیدلؔ زیب دستار ست و بس

.....

گرہ چو غنچہ نباید زدن بتارِ نفس　　تواں فگند ز سرچوں حباب بار نفس
حیات اہل تماشا بنور بینائی ست　　کہ چشم را نبود جز نگاہ تار نفس
ز گفتگو بکدورت رسد دل روشن　　بطبع آئینہ گوئی بود غبار نفس
مدار سرکشی زندگی بود نخوت　　کہ شمع را ز رگ گردن ست تار نفس
نہ موج بحر محال ست لاف خودداری　　بخویش نیست درآمد شد اختیار نفس
مدار پاس نفس گر فروغ دل خواہی　　کہ شمع طور نباشد بہ رہ گذار نفس
بشمع صبح نظر کن کہ خندہ ہا دارد　　خزانِ عمر بہ رنگینی بہار نفس
بچاک پیرہن عمر بخیہ امکاں نیست　　متاب رشتۂ طول امل بتار نفس
اشارتے ست باہل فنا ز چشم حباب　　کہ دیدہ وا نشود تابود غبار نفس
بسوے خویش کشد صید را خموشی دام　　سخن ز فیض تامل شود شکار نفس
ز ضعف تنگ دلی چوں زبان غنچہ دل　　فتادہ ام بسر راہِ انتظارِ نفس

بہار عمر ندارد گل دگر بیدلؔ　　ازیں چمن نتواں چید غیر خار نفس

.....

نیست بے شور حوادث آمد و رفت نفس　　کاروان موج دارد در شکستن خود جرس
چوں حیا غالب شود غیر از خموشی چارہ نیست　　ہر کسے را چوں گہر در آب می پیچد نفس
نالہ از تغیر عالم سر بہ بے تابی کشید　　طائر مارا شکست رنگ شد چاک قفس
ظلمتِ نادانیِ ماصید گاہ غفلتے ست　　از برائے خواب فرش سایہ می باشد قفس
خاکساراں می رسند آخر بدردِ سرکشاں　　غیر ساحل نیست موج بحر را فریاد رس
دربیابانے کہ ما بار خموشی بستہ ایم　　چوں نگاہ چشم بر می خیزد آواز جرس
ریشۂ طول امل گل می کند نزدیک مرگ　　بر سفر باشد دلیل آشفتن دُمّ فرس
وقتِ کندن از نگین نام می خیزد صدا　　بے فغانے نیست چوں بر سنگ آمد پائے کس
سخت دشوار است بیدلؔ دم زدن در زیر آب　　چوں حباب آئینہ را لازم بود پاس نفس

.....

# ش

اگر چو غنچہ میسر شود شکستن خویش　　تواں شنید صدائے زدام جستن خویش
قرارِ اہلِ طلب بے قراریِ دگر ست　　بروں ز خویش برد شعلہ را شکستن خویش
کمند صید حواس ست گوشہ گیری ہا　　نشستہ ایم چو مضموں بفکر بستن خویش
شکنج دام بود مفت عیش ما بیدلؔ　　کہ بوے غنچہ پریشاں شود ز رستن خویش

.....

چو آں مصرع کہ ہر حرفش کشد تا معنی رنگیں　　بقصد خون من جوہر بود بال و پر تیغش

.....

دل ز پیچ و خم اندیشہ شد آرام فروش　　مژہ در دیدہ شکست آئینہ از جوہر خویش

موے پیری گل پاس ست بہ گلزار حیات　　شعلہ را صبح دم نیست چو خاکستر خویش
ہرچہ خواہی ہمہ در خانہ خود می یابی　　ہم چو آئینہ اگر حلقہ زنی بر درخویش

.....

جنا جوئے کہ می دارم ہواے تیرِ مژگانش　　بود چوں شبنم گل دل نشیں بر زخم پیکانش
ز برم جلوہ ات چشمے کہ نور منتے دارد　　بود آئینہ ساں حیرت چراغ زیر دامانش
جنوں گر دید مارا رہنماے کعبۂ شوقے　　کہ از دل ہائے بے طاقت بود ریگ بیابانش
بیاض پنبۂ داغم کہ خط اوست دودِ دل　　بمکتب خانۂ غم از شرر کردند افشانش
دریں گلزار بیدلؔ بر کہ گردد بسمل حیرت　　چو اشک دیدۂ شبنم طپیدن نیست امکانش

.....

ز نالہ بلبلم آسودہ است می ترسم　　دل دونیم دہد باز یاد منقارش
با آسماں مژۂ من فرو نمی آید　　بلند ساختۂ حیرت ست دیوارش
ادب ز شرم نگہ آب می شود ورنہ　　شنیدہ ام کہ پئے پردہ است دیدارش

.....

دلِ گم گشتہ دارم چہ می پرسی ز احوالش　　دو عالم گر شود آئینہ نا پیدا ست تمثالش

.....

گرنہ عینِ تماشا حیرت سرشار باش　　سر بسر دلدار یا آئینہ دلدار باش
سیر چشمی ذرۂ مہر قناعت بودن ست　　پیش مردم اندک و در چشم خود بسیار باش

.....

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش　　اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش
رنگ آسایش در آغوش ہجوم بے خودی ست　　یک قلم لغزش چو مژگاں ہاے خواب آلود باش
نقد حسرت خانہ ہستی صداے بیش نیست　　اے عدم! نامے بدست آوردۂ موجود باش
پردۂ ساز خداوند یست وضع بے دلی　　گر سجود آمود خود گردیدۂ مسجود باش

# ص

از قناعت خاک باید کرد در ابنان حرص
آبرو تا کے شود صرف خمیرو نانِ حرص

عالمے اسباب برہم چید وزیں دریا گذشت
تا نفس داری تو ہم پُل بند از سامان حرص

مردگاں را نیز سودائے قیامت در سرست
زندہ می دارد جہانے را ہمیں احسانِ حرص

.....

طرب کجاست دریں محفل اے خیال پرست
کہ نغمہ غلغلۂ محشر ست و طوفاں رقص

فضولی آئینہ دستگاہ کم ظرف ست
بروے بحر کند قطرہ وقت باراں رقص

ز خود تہی شو و شور جنوں تماشا کن
بکام دل نکند نالہ بے نیستاں رقص

کشاد بال دریں تنگنا خجالت داشت
شرارِ ما بدل سنگ کرد پنہاں رقص

نفس بذوق رہائی ست پر فشانِ خیال
وگرنہ کس نکند در شکنج زنداں رقص

طپش ز موج گہر گل نمی کند بیدلؔ
نکرد اشک من آخر بچشم حیراں رقص

.....

پُر کوتہ ست دست بہر سو دراز حرص
غیر از گرہ برشتہ نہ بستند ساز حرص

دو رنگ آبرو زرت از کیسہ می رود
انجام شمع بین و مپرس از گداز حرص

.....

# ض

چشمت ز خواب باز نگر دید و صبح رفت
ترسم ز گریہ وانکشی خوں بہائے فیض

آغوش صبح می کشد ایں جا و داع صبح
بیدلؔ بقدر نفی تو خالی ست جائے فیض

.....

مباد دامن کس گیرم از فسون غرض
کف امید حنا بستہ ام بخون غرض

ز بحر بہرۂ سیری نہ بُرد چشم حباب
پُری ست منفعل از کاسۂ نگون غرض

سراغ انجمن کبریا ز دل جستم طپید و گفت۔ ''ہمیں یک قدم برونِ غرض۔''

.....

اے بے خبر مشو ز نفس در ہوائے فیض بے چاک سینہ نیست چو صبح آشنائے فیض
تنہا نہ رسم جود و کرم در جہاں نماند توفیق نیز رفت ز مردم قفائے فیض

.....

# ط

گر چنیں افسردگی جو شد ز طبع روزگار رفتہ رفتہ خزد در دیدۂ گوہر محیط
شوخی برق نگہ در دیدۂ آئینہ نیست ہم چو گوہر موجِ مارا گشت چشم تر محیط
طبع چوں ممتاز اعیاں شد وطن ہم غربت ہست می کند حاصل گہر گرد یتیمی در محیط
ہر قدر ساز تعلق بیش وحشت بیشتر می کشاید درخور امواج بال و پر محیط
چوں بعزلت خو گرفتی فکر آزادی خطاست آب گوہر گشتہ نتواند شدن دیگر محیط
دستگاہ مستی ارباب معنی بادہ نیست بیدلؔ از چشمِ تر خود می کشد ساغر محیط

.....

نبود نقطۂ از علم ایں کتاب غلط شعور ناقص ما کرد انتخاب غلط
فریب زندگی از شوخی نفس نخوری کہ تیغ را نکند کس بموج آب غلط
شکست شیشۂ بچشمت بشاط عشرت چید ز رنگ باختہ کردی بماہتاب غلط
رموز وضع جہاں را کسے چہ در یابد کہ خلق کور سواد ست و ایں کتاب غلط
رجوع اصل خطامی برد ز طینت فرع گرفتن ست ز سرچوں شود حساب غلط
نداشت آئینہ موج آب ۔ غیر محیط بجلوہ کردم از اندیشۂ نقاب غلط
بخواب دیدست امشب کہ در کنار منی اگر غلط نہ کنم نیست حکم خواب غلط
ز قطرہ قطرہ عیاں دید و از محیط محیط نہ کرد فطرت بیدلؔ بہ ہیچ باب غلط

صاف طبعاں را بہ پستی می نشاند چرخ دوں
باہمہ روشن دلی درد ست گوہر در محیط

ہر کسے را در خور اسباب تشویش ست و بس
از ہجوم موج بر خود می کشد لشکر محیط

عالی را می کشی زیرِ نگینِ اعتبار
گر شوی بر آب روے خویش چوں گوہر محیط

بے ندامت نیست ہستی ہر قدر بالا نفس
موج تا باقی ست دستے می زند بر سر محیط

.....

# ظ

دارد از ضبط ہوس طبع ہوس پرور چہ حظ
جز گرفتاری ز تاب رشتہ با گوہر چہ حظ

اے کہ می خواہی چراغ محفل اعیاں شوی
غیر ازیں کز دیدہ ات آتش چکد دیگر چہ حظ

لذت دنیا نمی آرزد بہ تلخی ہائے مرگ
کام زہر اندودۂ نزع ست از شکر چہ حظ

.....

# ع

ہر چہ در دل گذرد وقف زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع

اضطراب و طپش و سوختن و داغ شدن
آں چہ دارد پر پروانہ ہماں دارد شمع

نشود شکوۂ گرہ در دل روشن گہراں
دود در سینہ محال ست نہاں دارد شمع

ضامنِ رونقِ ایں بزم گدازِ دلِ ماست
سوختن بہر نشاط دگراں دارد شمع

زعفراں زار طرب سیرِ رخ کاہیِ ماست
اثرے از نفس سوختگاں دارد شمع

رفتن از دیدۂ خود طرز خرامے دگر ست
بیدلؔ ایں جا صفت سرو رواں دارد شمع

.....

# غ

نقش پئے خورشید بود ظلمت شب ہا
چوں شعلہ ز خود باز نماید اثر داغ

تاب غم سودا نبود اہل ہوس را  بر سینۂ افسردہ ندارد جگر داغ

.....

# ف

مشربِ دیوانگاں بامے ندارد احتیاج  جام لبریزست ہر جا سنگ شد با سر طرف
قطرہ کو۔ گوہر کدام۔ افسون خود بینی بلاست  جملہ دریائیم اگر ایں عقدہ گردد برطرف

.....

# ق

چو سحابِ معبد آرزو دہدم نوید چہ آبرو  اگر از بلندی دست من اثر دعا نکند عرق

.....

بیدلؔ تلاش عجز بجائے نمی رسد  خلقے چو شمع داغ شدو مُرد در عرق

.....

# ک

مغز شد در سر پر شور من از سودا خشک  بادہ چوں آب گہر گشت دریں مینا خشک
تشنہ کامی گل بے صرفگی اسرار ست  تا خموش ست نگردد جگر مینا خشک
اشک در دیدۂ حیرت زدہ جولاں نکند  بیدلؔ از خشکی ایں شیشۂ بود مینا خشک

.....

# گ

کو مایہ کہ قابلِ غارت شود کسے  اے صورت شکست غنیمت شمار رنگ
جوش خیالم۔ انجمنِ بے نشانیم  بیدلؔ بہار من نکند آشکار رنگ

چو غنچہ بسکہ طپیدم ز وحشت دل تنگ　　شکست بر رخ من آشیانِ طائر رنگ
بیک نفس قدم از خود تواں زدن بیروں　　حباب را ست چو در عرصہ گاہ شوخی تنگ
کشد شگاف قفس مرغ را بہ بے تابی　　بدل رسد چو صدا وحشت از شکستن رنگ

.....

# ل

خاطر آگاہ را آشفتگی جز و تن ست　　می شود خواب پریشاں چوں شود بیدار گل
بر بساط غنچہ چشماں چوں رسی آہستہ باش　　می شود از جنبش تار نفس بیدار گل
سر بسر باغ جہاں بیدلؔ مقام حیرت ست　　دارد از ہر برگ ایں جا پشت بر دیوار گل

.....

ز عشقت کارہا داریم با دل　　بود در کشت ما تخم وفا دل
برنگ لالہ در باغ شہادت　　ز نقد داغ دارد خوں بہا دل
زمیں گیر ست پیکاں ہائے بے تیر　　ز سعی نالہ می خیزد ز جادل
رود در خندۂ گل غنچہ از خویش　　شکست مارا شد صدا دل
گرفتارم گرفتارم گرفتار　　نمی دانم نفس دام ست یا دل
بصورت بے دلم اما بہ معنی　　بود چوں خوشہ سرتا پائے ما دل

.....

جمالت مقصد چشم ست کو چشم　　غمت باب دل ست اما کجا دل
سراغ ما غبار بال عنقاست　　برنگ رفتہ دارد نقش پا دل
ز اشک و آہ مشتاقاں مپرسید　　ہجوم بسمل ست از دیدہ تا دل

# م

آرزوے در گرہ بستم دُر یکتا شدم　　حیرتے از دیدہ بیروں ریختم دریا شدم

صحتے بے گفتگوے داشتم با خامشی　　برق زد آخر ۔ لبے وا کردم و تنہا شدم
شد نگہ حیرانیم در رنگ حیرت آشکار　　ایں بیاباں بسکہ تنگی کرد نقش پا شدم
ماضی و مستقبل من حال گشت از بے خودی　　رفتم امروز آں قدر از خود کہ بے فردا شدم
بیدلؔ از شکر پریشانی جاں آیم بروں　　مشت خاکے بودم از آشفتگی صحرا شدم

.....

برہنگی سرم نیست کم ز بالش راحت　　بس ست خواب فراغت چو شمع ترک کلاہم

.....

جذبۂ حسن بود شہرت حیرت نگہاں　　بال جز پرتو خورشید ندارد شبنم

.....

در گلستاں عیش دارم در نقاب اضطراب　　بال بے تابی بود دیوار باغ بسملم
تیغ نازت آستیں می بالداز جوہر چرا　　یک طپیدن می کند خامش چراغ بسملم

.....

تا گشتہ با حدیثِ لبت آشنا لبم　　چوں ساغر نگہ ز تحیّر لبالبم

.....

تا چو اشک از نشۂ غربت وطن گم کردہ ام　　خویش را در نقش پائے خویشتن گم کردہ ام
منزل آسایشم بیدلؔ چہ می پرسی ز ہوش　　بے خودی می داند آں راہے کہ من گم کردہ ام

.....

جنوں از بس بموجِ بے قراری کرد ہم دوشم　　ز شور خود گراں چوں حلقۂ زنجیر شد گوشم
کمند وحشتم از دام حیرت بر نمی آرد　　برنگ شبنم از چشم تحیر خانہ بر دوشم
ز شور بحر امکاں رستم از جمعیت خاطر　　دل آسودہ مانند صدف شد پنبہ در گوشم

.....

چہ حاجت ست بہ بند گران تدبیرم　　چو اشک لغزش پائے بس ست زنجیرم

لغزشے داشت رہ عشق کہ درگام نخست　　طوق آسودگی آبلہ پایاں کردیم
فکر خویش ست سر انجام دو عالم بیدلؔ　　ہمہ کردیم اگر سر بگریباں کردیم

.....

شور آفاق ست جوشے از دل دیوانہ ام　　چوں گہر از موج دریا رشتہ دارد دانہ ام
بس بود گرد یتیمی موج گوہر را نقاب　　ریشہ پنہاں در غبار خویش دارد دانہ ام
موے کافوری ست نومیدی کہ شمع عمر را　　صبح باشد در نظر خاکستر پروانہ ام
خاک دامن گیر دارد سر زمین بے خودی　　سیل بے تشویش دامے نیست از ویرانہ ام
آں حیابم کز ہواے شوق صہبائے فنا　　بسکہ می بالد بخود پُر می شود پیمانہ ام

پوری غزل:۔

شبے کز خیال تو گل چیدہ بودم　　ہم آغوش صد رنگ خوابیدہ بودم
چرا خط پرکار وحدت نباشم　　بگرد دل خویش گردیدہ بودم
چو گل چاک می رویداز پیکر من　　ندانم براے چہ خندیدہ بودم
بدل داشتم از تو در پردہ عشقے　　تو فہمیدہ بودی نہ فہمیدہ بودم
تماشا ست نخچیر دام تحیر　　ز آئینہ ایں حرف پرسیدہ بودم
محال ست چوں عمر برگشتنِ من　　براہ تو گامے خرامیدہ بودم
چو محمل شدم آں قدر فرش غفلت　　کہ گر رفتم از خویش خوابیدہ بودم
چہ پرسی زمن لذت جلوہ بیدلؔ　　کہ در بے خودی جلوۂ دیدہ بودم

.....

غبار کوچہ عجزم ولے در دامن خویشم　　شکست خویش چوں موج ست طوق گردن خویشم
نہ وحشت بگسلم سر رشتۂ الفت بہ بدمستی　　رم موجم کہ قلاب ست چین دامن خویشم
کف خاکسترم صبح دگر در آستیں دارد　　چو از اخگر از شکستِ رنگ، گل در دامن خویشم
شبستاں را کند پرواز، رنگ شمع طاؤسی　　بہار عیش ایں بزم و خزانِ گلشن خویشم

سراغ رنگ ہستی در طلسم خود نمی یابم　　دریں محفل چو شمع کشتہ داغ رفتن خویشم
جہاں را صید حیرت کرد جوش نالہ ام بیدلؔ　　ہمہ زنجیرم امّا در نقاب شیون خویشم

.....

وحشتے کو تا وداع ایں ہمہ سودا کنم　　نغمۂ ساز دو عالم را صدائے پا کنم
ہیچ موجے از کنار ایں محیط آگاہ نیست　　می روم بیروں ز خود تا ساحلے پیدا کنم
یک نفس آگاہیم چوں صبح بود امّا چہ سود　　گرد از خود رفتنم نگذاشت چشمے وا کنم

.....

موج مارا شرم دریائے کرم　　تا قیامت بر نمی آرد ز نم
در کنار فطرت ما داد عشق　　لوحِ محفوظ نہ فہمیدن رقم
ذرہ تا خورشید موہوم ست و بس　　می خورد عرفاں بنا دانی قسم

.....

سروِ تہمت قفس چہ چارہ کند　　پا بگل کردہ اند و آزادم
شبنم - انفعال خاصیتم　　ہمہ آب ست خاک بنیادم
از فسون نفس گلوے و مپرس　　خاک ناگشتہ می برد بادم
درد عشق امتحانِ راحت داشت　　ہم چو آتش بہ سبز افتادم
دلش آزادیم نمی خواہد　　قفس ست آرزوے صیادم
او دلم داد تا بخود نگرم　　من ہم آئینہ در کفش دادم
بے دماغانہ نشکند چہ کند　　شیشہ می خواست، دل فرستادم
نظم و نثرے کہ می کنم تحریر　　بہ کہ در زندگی کند شادم
ورنہ حیف ست نقشم از پس مرگ　　گل زند بر مزار بہزادم
ایں زماں ہر چہ دارم از من نیست　　داشتم آنچہ رفت از یادم
نیستی ہم بہ داد من نہ رسید　　مُرد مرگ آں زماں کہ من دام

# ن

تا چند بہ عیب من و ما چشم کشودن　　آئینہ ما آب شد از شرم نمودن
مانند شرر دانہ بے حاصلِ مارا را　　ناکاشتہ دیدند سزاوار درودن
زیں بیش کہ کاہیدی از اسباب تعین　　اے صفر ہوس بر توچہ خواہند فزودن
جمعیت دل وقف مقیم پس زانوست　　باید بہ تامل مژۂ چند غنودن
بیدلؔ رم فرصت سرو برگ نفسِ تست　　جائے کہ تو باشی نتواں آں ہمہ بودن

.....

چنیں کشتۂ حیرت کیستم من　　کہ چوں آتش از سوختن زیستم من
اگر فانیم چیست ایں شورِ ہستی　　وگر باقیم از چہ فانیستم من
بناز اے تخیل ببال اے توہم　　کہ ہستی گماں دارم ونیستم من
ہوائے در آتش فگندست نعلم　　اگر خاک گردم نمی ایستم من
نوائے نہ دارم نفس می شمارم　　اگر ساز عبرت نیم چیستم من
نخندید اے قدر دانان فرصت　　کہ یک خندہ بر خویش نیم چیستم من
دریں غم کدہ کس نمیراد یارب　　بمرگے کہ بے دوستاں زیستم من
جہاں گو بسامان ہستی بنازد　　کمالم ہمیں بس کہ من ہیستم من
بایں یک نفس عمر موہوم بیدلؔ　　فنا تہمت شخص با قیستم من

.....

تا بچشمش نگرم دیدہ شود ساغرمے　　چوں برم نام لبش، گل زلب آید بیروں
ننگ غیرت کدۂ عشق بعرض آمدہ ایم　　ہم چوتب خال کہ از جوش تب آید بیروں
نقطہ داری ز حیا، مہر بلب زن بیدلؔ　　تا کلامت ہمہ جا منتخب آید بیروں

.....

بعد مردن از غبارم کیست تا یا بد نشاں
نقش پائے موج ہم با موج می باشد رواں

خامشی مہر یست بر طومار عرضِ مدعا
ہم چو شمع کشتہ دارم داغ بر روے زباں

خاک گردیدن حصول صد گہر جمیعت ست
کاش موج من ز ساحل بر نگرد اند عناں

کو خموشی تا نفس تمکیں دل انشاء کند
گوہر ست امّا اگر پیچد بخویش ایں ریسماں

نیست غیر از احتیاطِ آگہی دشواریم
زیر کوہ از بار مژگانم چو خواب پاسباں

بسکہ بار زندگی بیدلؔ بہ پیری کشم
موے من از سخت جانی بر درنگ استخواں

.....

## و

بہ پیری ہم نیم غافل زعشقِ آں کماں ابرو
حضور قامت خم گشتہ ایماے ست زاں ابرو

بہ بے پروائی ترکان مخمور تو
کہ عمرے شد مقیم سایۂ تیغ انداز آں ابرو

زبان سرمہ آہنگاں مژگانت کہ می فہمد
اگر از شوخی ایما نگردد ترجماں ابرو

دم تیغ تغافل تا کجا خواہی تنک کردن
ہنوز از گردش آں چشم می خواہد فساں ابرو

.....

ہر چند دورم از چمنِ جلوہ گاہ او
مے خانہ است شوق بیاد نگاہ او

خوبی ز الفت ذقنت رہ بدر بزد
یوسف رسن گسیخت در آغوش چاہ او

در وادی کہ شرم نقابت کشودہ است
برچشم نقش پا مژہ پوشد گیاہ او

نقش قدم نکشتہ میسر نمی شود
آئینہ داری سرِ تسلیم راہِ او

بر سرکشاں چرا نفروشیم ناز عجز
مارا شکستہ اند بیاد کلاہ او

شمعے کہ محو انجمن انتظار تست
آئینہ بر سر مژہ نبندد نگاہ او

.....

کجائی اے جنوں ویرانہ ات کو
خس و خاریم آتش خانہ ست کو

الم پیایم از کم ظرفی ہوش　　شراب عافیت پیانہ ات کو
تو شمع بے نیازی ہا برافروز　　مگو خاکستر پروانہ آت کو
زہستی تا عدم یک نعرہ وارست　　ولیکن ہمت مردانہ ات کو
حجاب آشنائی قید خویش ست　　ز خود گر بگذری بیگانہ ات کو

.....

## ۵

بسکہ می جوشد ازیں دریائے حسرت حُبِّ جاہ　　قطرہ ہم سعی حبابے دارد از شوق کلاہ
می برم اشکے ز دل تا دیدہ لیک از سعی آہ　　بے رسن مشکل بر آرد دلو آب از قعر چاہ
گیرو دار محفل امکاں طلسم حیرتے ست　　تا مژہ خط می کشد ایں صفحہ می گردد سیاہ
گرد صحرا از رم آہو سراغے می دہد　　رفتن دل را شکستِ رنگ می باشد گواہ
عالمے در انتظار جلوہ ات فرسودہ است　　جوہر آئینہ ہم می ریزد از دیوار کاہ
ایں قدر جہدم بذوق نشہ عجز ست و بس　　ہم چو پرواز از شسکت بال می جویم پناہ
بسکہ پیچ وتاب حسرت در نفس خوں کردہ ایم　　تیغ جوہر دار عریاں می کنم در عرض آہ
گر سلامت خواہی از ساز تظلم دم مزن　　داد رس در عہد ما سنگ ست و مینا دادخواہ
ایں زماں عرض کمال خلق بے تزویر نیست　　جوہر آئینہ آبے دارد امّا زیر کاہ
طبع روشن بیدلؔ از بخت سیاہش چارہ نیست　　تا ابد زنگ کلف نتواں زدود از روے ماہ

.....

وہم شہرت بہانہ ایم ہمہ　　ہمہ مائیم و ما نہ ایم ہمہ
من و مارا ست نایداز من وما　　ساز او را ترانہ ایم ہمہ
عشق ایں جا محیط نیرنگ ست　　سکش جہت درمیانہ ایم ہمہ
ہمہ عالم غریق اوہام ست　　قلزم بے کرانہ ایم ہمہ

شیشہ ساعت خیال خودیم　　خاک بیز زمانہ ایم ہمہ
چوں نفس می پریم و می نالیم　　بسکہ بے آشیانہ ایم ہمہ
بیدلؔ از دل بروں مقامے نیست　　دشت و در تاز خانہ ایم ہمہ

.....

یک تار مو کہ از سر دنیا گذشتۂ　　صد کہکشاں بزاوج ثریا گذشتۂ
جمعیت وصول ہماں ترک جست وجوست　　منزل دمیدۂ اگر از پا گذشتۂ
اے قطرۂ گہر شدہ نازم بہ ہمّت　　کز یک گرہ پل از سر دریا گذشتۂ
اے جادۂ غرور جہاں بلند و پست　　لغزیدۂ گراز ہمہ بالا گذشتۂ
برق نمودت آمد و رفت شرار داشت　　روشن نشد کہ آمدۂ باگذشتۂ
بیدلؔ داغ باز تو پر می زند بعرش　　گویا ببال پشہ زعنقا گذشتۂ

.....

خشم را آئینہ پردازِ ترحُم کردۂ　　در نقابے چین بیتابے تبسم کردۂ
بر سر مویت زبان التفاتے دیگر ست　　بسکہ شوخی در خموشی ہم تکلم کردۂ
گوہر از تسلیم شد ایمن ز موج انقلاب　　ساحل جمعیتی ، گردست و پاگم کردۂ
اے خیالت غرق سودائے جہانِ مختصر　　قطرۂ را بردۂ جائے کہ قلزم کردۂ
موج اقبال تو در گرد عدم پر می زند　　قلزمی ، اما بروں از خود تلاطم کردۂ
معرفت کز اصطلاح ما و من جوشیدہ است　　غفلت است اما تو آگاہی تو ہم کردۂ
بستۂ بیدلؔ اگر بر خود زبان مدعی　　عقربے رامی توانم گفت بے دم کردۂ

.....

کجا خلوت و انجمن دیدۂ　　تو شمعی ہمیں سوختن دیدۂ
ز رنگے کہ جز داغش آئینہ نیست　　چو طاؤس خود را چمن دیدۂ
کہ صیقل زد آئینہ غیرتت　　کہ ''او'' بودی امروز ''من'' دیدۂ

بدر زن چو موج از کنار محیط　　که رنج سفر در وطن دیدهٔ
سحر خواندهٔ گرد آشفته را　　حیا کن که بر خویش خندیدهٔ

.....

تارِ پیراہنِ حیاست نگاه　　کاسۂ چشم را صدا ست نگاه
حیرت آئینۂ زمیں گیری ست　　تا مژه نیست بے عصاست نگاه
شبنم من بوصل گل چه کند　　که ز چشم ترم جدا ست نگاه
نیست نقشے بروں ز پردهٔ چاک　　حیرتست ایں که بر هواست نگاه
حاصل ما دریں تماشا گاه　　انتہا حیرت ابتداست نگاه
مژهٔ بستہ آشیان غناست　　ورنہ ہر جا رسد گداست نگاه
شمعِ فانوسِ انتظار تو ایم　　گرد پرواز رنگ ماست نگاه
بسکہ عالم بہارِ جلوهٔ اوست　　بر رخ اوست ہر کجاست نگاه
بیدلؔ از جلوه قانعم بخیال　　چه تواں کرد نارسا ست نگاه

.....

اے بہ اوج قدس فرش آستاں انداختہ　　سجده در یادت زمیں بر آسماں انداختہ
ہر کجا پائے براہت بُرده عجز لغزشے　　بر سپہر ناز طرح کہکشاں انداختہ
شمع خلوت گاه یکتائی بفانوس خیال　　کرده مژگاں باز و آتش در جہاں انداختہ
دست گاه حیرتت در چار سوئے آگہی　　جنس ہر آئینہ بیرونِ دکاں انداختہ
صنعت عشق ست کز آئینہ سازی ہائے شوق　　کرده دل را آب و تمثالے دراں انداختہ
خواب و بیداری کہ جز بست و کشاد چشم نیست　　راه ہستی تا عدم شب درمیاں انداختہ
چرخ را سرگشتۂ ذوق طلب فہمیده ایم　　غافلیم از مقصدِ خاکِ عناں انداختہ
سعی فطرت نارسا و عرصۂ تحقیق تنگ　　در کماں جوئید تیر بر نشاں انداختہ
تا نمی سوزیم بیدلؔ پرفشانی ہا بجاست　　مشرب پروانہ ایم آتش بجاں انداختہ

# ی

دریں حدیقہ نہ قدردان حیرانی بشوخی مژہ ترسم ورق بگردانی

.....

ترک حاجت گیر، ناموسِ حیا را پاس دار تا لب از خشکی برآبِ او نیارایدِ پلے
بیدلؔ امشب برسرم چوشمع دست ناز کے خفتہ ام در زیر تیغ و چتری بندد گلے

.....

گہ برو می دوی و گاہ بسر می آئی نیستی اشک چرا ایں ہمہ تری آئی
شعلہ ات کو نفسے چند بہ پرواز تند آخر از ضبط نفس در تہِ پر می آئی

.....

اے کہ در دیر و حرم مست کرم می آئی دل چہ دارد کہ دریں غم کدہ کم می آئی
چہ ضرورت کشتی رنج و داغم بیدلؔ می روم من بمقامے کہ تو ہم می آئی

.....

ز بسکہ کرد قصور نگاہ مژگانی بخود شناسیِ ماختم شد خدا دانی
ز خود برآمد گاں شوکتے دگر دارند غبار ہم بہ ہوا نیست بے سلیمانی
کجاست گرد امیدے کہ دامنم گیرد چو صبح می دمد از پیکرم خود افشانی
دریں ہوس کدہ تا ممکن ست بیدلؔ باش مکار آئینہ تا حیرتے نہ رویانی

.....

اے آئینہ گرد نفسے بیش ندارم زیں پیش مرا در نظر من نہ نمائی
ہمت نہ پسندد کہ بایں ہستی موہوم چوں عکس در آئینہ کنم خانہ خدائی
زیں جوش غبارے کہ گرفتہ ست جہاں را فتح در خیبر کنی از چشم کشائی
تاچند خراشد اثر لاف گلویت داوٗد نہ خواہی شدن از نغمہ سرائی

برہم زنِ کیفیت یکتائی مانیست　　ایں سجدہ کہ بر پیکر مابست دو تائی
بیدلؔ تہی از خویش شدی ماؤ منت چیست　　اے صفر براعداد تعین نفزائی
[غالبؔ: ہے صفر کہ افزایش اعداد نرے]

.....

آفت ایجادست طبع از دست گاہ خودسری　　دختر رز فتنہ ہامی زاید از بے شوہری
تا دریں بازار عبرت جنس ما آمد بعرض　　ہیچ کس جز بر فلک نشنید نام مشتری
ساز راحت گر سر خارست دام غفلت ست　　برنگہ تکلیف خواب آورد مژگاں بستری
ہم چو شبنم انفعال نارسائی می کشم　　در عرق خوا باند پروازم ز بے بال و پری
ہر کدورت را کہ می بینی صفا می پرورد　　سنگ ہم در پردہ دارد عالم میناگری
زحمت تدبیر یک سو نہ کہ در پائے عشق　　بادبانے نیست کشتی را بہ از بے لنگری
در پناہِ مشرب عجز ایمن از آفات باش　　خار ایں صحرا ندارد شیوہ دامن دری
طوق در گردن بگردوں می پری چوں گرد باد　　جائے شرم ست آں سلیمانی و ایں انگشتری
از فضولی قطع کن بیدلؔ کہ در بزم یقیں　　حلقہ تا گشتی بفکر خویش بیرون دری

.....

فغاں داغ دل شد ز بے دست و پائی　　فسرد آتشم اے طپیدن کجائی
ہوائے نشد دست گیر غبارم　　زمینم فرو برد از بے عصائی
چو ریزد پر و بال من از طپیدن　　شکست قفس را شود مومیائی

.....

شور گم گشتگیم زد بدر رسوائی　　حیف ہمت کہ شود منفعل عنقائی
حسرت بادہ کشی نیست کم از آفت صور　　کوہ ہا رفت بباد از ہوس مینائی
سعیِ مطرب نشود چارہ گر کلفت دل　　ایں گرہ نیست کہ ناخن زنی و بکشائی
خواب در دیدۂ ارباب قناعت تلخ ست　　بوریا گر نہ کند مخملی و دیبائی

شعله را جز تہ خاکسترش آرام کجاست　　جہد آں کن کہ تو در سایۂ خویش آسائی

.....

بشہرتِ زد اقبال خلق از تباہی　　سپید ست نقش نگیں از سیاہی

.....

بردۂ سر بہ آسمانِ غرور　　خاک ناگشتہ کے فرود آئی

.....

از ندامت کاری ذوق طلب غافل نیم　　صد گریباں می درد بوے گل از بالید نے
بے دلیل عجز بیدلؔ ہیچ جا نتواں رسید　　سعیِ کن چنداں کہ آید پیش پا لغزید لے

.....

نفس در طلب سوختی دل ندیدی　　بہ لیلیٰ چہ داری کہ محمل نہ دیدی
بہ شب گیر فرسودہ چوں شمع و ہمت　　بزیر قدل بود منزل نہ دیدی
نہ شد مانع عمر قید تعلق　　تو رفتار ایں پائے در گل نہ دیدی
حساب تو با کبریا راست ناید　　زمیں را بگردوں مقابل نہ دیدی
بغیر از تگ و تاز گرد خیالت　　کس ایں جانبود تو غافل نہ دیدی
ز اسباب خوردی قریب تجرد　　تماشاے بیرون محفل نہ دیدی
تمیز تو شد دور باش حقیقت　　کہ حق دیدی و غیر باطل نہ دیدی
ازیں علم و فضلے کہ غیرے ندارد　　چہ خواندی گر اشعار بیدلؔ نہ دیدی

.....

چو محو عشق شدی رہنما چہ می جوئی　　بہ بحر غوطہ زنی ناخدا چہ می جوئی
متاع خانہ آئینہ حیرت است ایں جا　　تو دیگر از دل بے مدعا چہ می جوئی
عصا ز دست تو انگشت رہنما دارد　　اگر نہ کور دلی از عصا چہ می جوئی
بسینہ تا نفسے ہست دل پریشاں ست　　رفوے جیب سحر از ہوا چہ می جوئی

صفائے دل نہ پسندد غبار آرایش　　بدست آئینہ رنگ حنا چہ می جوئی
ز حرص دیدۂ احباب حلقہ دام ست　　نمِ مروت ازیں چشمہ ہا چہ می جوئی
چو شمع خاک شدم در سراغ خویش امّا　　کسے نگفت کہ در زیر پا چہ می جوئی
ز آفتابِ طلب شبنم ہوا شدہ را　　دلِ رمیدۂ مارا ز ما چہ می جوئی
بجز غبار ندارد طپیدن نفست　　ز مار سوختہ بیدلؔ صدا چہ می جوئی

.....

بعجز کوش ز نشو ونما چہ می جوئی　　بخاک ریشۂ تست از ہوا چہ می جوئی
دل گداختہ اکسیر بے نیازی ہاست　　گداز درد طلب کیمیا چہ می جوئی
سراغ قافلۂ عمر سخت نا پیداست　　ز رہگذارِ نفس نقش پا چہ می جوئی
محیط شرم بقدر عرق گہر دارد　　ہنوز آب نہ از حیا چہ می جوئی
ہزار سالہ رہ ایں جا نیاز یک قدم ست　　ز خود برآے ، ز فکر رسا چہ می جوئی
بذوق دل نفسے طوف خویش کن بیدلؔ　　تو کعبہ در بغلی جا بہ جا چہ می جوئی

.....

تمام شد انتخاب غزلیاب بیدلؔ کہ در کلیات او شامل بود۔ نقل ایں انتخاب غالباً در ۱۹۴۴ء آغاز کردہ بودم۔ تقریباً چار سال نقلش ناتمام ماند تا امروز ۱۲/ مارچ ۱۹۴۹ء شنبہ

بخیال چشم کہ می زند قدح جنوں دل تنگ ما
کہ ہزار میکدہ می دود برکابِ گردش رنگ ما
زغبار بیدلؔ ناتواں دل نازکت نشود گراں
کہ رود زیاد تو خود بخود چو نفس ز آئینہ زنگ ما

.....

ستم ست گر ہوست کشد کہ بسیر سرو وسمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بچمن درآ
پے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمت جست و جو
بخیال حلقہ زلف او گر ہے خور و بختن در آ
چو ہوا ز ہستی مبہمے بتاملّے زدہ ام خمے
گرہ حقیقتِ شبنمے ، بشگاف و در دل من در آ
کشی ز کوشش عاریت الم شہادت بے دیت
بہ بہشت عالمے عافیت در جستجو بشکن در آ
ز شروش محفل کبریا ہمہ وقت می رسد ایں ندا
کہ بخلوت ادب وفا ز درِ بروں نہ شدن در آ
بدرا ے بیدلؔ ازیں قفس اگر آں طرف کشدت ہوس
تو بغُربت آں ہمہ خوش نہ کہ نگویمت بوطن در آ

.....

ہمہ عمر با تو قدح ز دیم و نہ رفت رنج خمارِ ما
چہ قیامتی کہ نمی رسی ز کنار ما بہ کنار ما
ز غبار نالہ بہ نیستاں نزدیم گامے ز امتحاں
کہ ز خود گذشتن ما نشد بہزار کوچہ دو چار ما

ہمہ را بعالم بے خودی قدحے ست از مے عافیت
سر و برگ گردش ما بہ بیں چہ خطے کشد بحصار ما
صف رنگ لالہ بہم شکن مے جوش گل بزمیں فگن
بہ بہار دامن ناز آن ز حنائے دست نگار ما
چمن طبیعت بیدلم ادب آبشار شگفتگی
زدہ است ساغر رنگ و بو بہ دماغ غنچہ بہار ما

.....

نہ شد دریں درس گاہ عبرت بفہم چندیں رسالہ پیدا
جنوں سوادے کہ کردم امشب ز سیر اوراق لالہ پیدا
صبا ز گیسوے مشکبارت اگر رساند پیام چینے
چو شبنم از داغ لالہ گردد عرق ز ناف غزالہ پیدا
چو موج بیداد ہیچ سنگے نہ بست برشیشہ ام ترنگے
شکست درد دلم برنگے کہ رنگ من کرد نالہ پیدا

.....

نمود ہستی بے اثر چہ نقاب شق کنم از حیا
تو مگر بمن نظرے کنی کہ دمے عرق کنم از حیا
اگرم دہد خط آسماں ہوس کتاب نہ آسماں
مژہ برہم آرم از این و آں ہمہ یک ورق کنم از حیا
بامید فضل تو نادنیں ہمہ را نیاز دل ست و دیں
من و بیدل و عرق جبیں کہ چہ درطبق کنم از حیا

.....

اگر بگلشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما
ز پیکر سرو موج خجلت شود نمایاں چومے ز مینا

ز چشم مستت اگر نباید قبول کیفیت نگاہے
طپد ز مستی برونِ آئینہ نقش جوہر چو موج صہبا
نہ شام مارا سحر نویدی نہ صبح مارا دم سپیدی
چو حاصل ماست ناامیدی، غبار دنیا بفرق دنیا
بہر کجا ناز سر برآرد نیاز ہم پاے کم ندارد
تو و خرامے و صد تغافل من و نگاہے و صد تمنا

.....

بحصول مقصد عافیت نہ دلیل جو نہ عصا طلب
تو ز اشک آں ہمہ پس نہ، قدمے ز آبلہ پا طلب
خوشت آں کہ ترک سبب کنی بہ یقیں رسی وطرب کنی
ز حقیقت آنچہ طلب کنی بطریقِ بیدلؔ ما طلب

.....

زہے چمن ساز صبح فطرت تبسم لعل مہر جویت
ز بوے گل تا نواے بلبل فداے تمہید گفتگو یت
سحر نسیمے در آمد از در پیام گلزار وصل در بر
چو رنگ رفتم زخویش دیگر چہ رنگ باشد نثار کویت
بجست و جوہر طرف شتابم ہماں جنوں دارد اضطرابم
بزیرِ پایت مگر بیابم دلے کہ گم کردہ ام بکویت
اگر بہارم تو آبیاری وگر چراغم تو شعلہ کاری
ز حیرتِ من خبر نداری بیارم آئینہ رُو برویت

.....

چہ خوش ست گر بود آں قدر ہوس بلندی منظرت
کہ برآں مکاں چو قدم نہی خم گردشے نخورد سرت
چو گل از طبیعت بے نشاں بخیال داشتی آشیاں
بہ برہنگی زدی ایں زماں کہ دمید پیرہن از برت
چو حباب غیر لباس تو چہ توقع وچہ ہراس تو
نہ تو مانی و نہ قیاس تو چو کشند جامہ ز پیکرت
ز سواد نسخۂ خشک و تر بکلام بیدلؔ ما نگر
کہ بحیرت چمن اثر شود آب آئینہ رہبرت

.....

اے گل فشاں چوں بوے گل نیرنگے از پیراہنت
عنقا شوم تا گرد من یابد سراغ دامنت
باصد حدوثِ کیف وکم از مزرع ناز قدم
یک ریشۂ شوخے نہ رو تخم دو عالم خرمنت
تنزیہ صد شبنم حیا پروردۂ تشبیہ تو
جاں صد عرق آب بقا گل کردہ لطف تنت
در وادی شوق یقین صد طور موسیٰ آفریں
خاکستر پروانۂ محو چراغ ایمنت
در نور بہار لم یزل جوشیدہ از باغ ازل
نہ آسماں گل در بغل یک برگ سبز گلشنت
دل را بحیرت کرد خوں بر عقل زد برق جنوں
شور دو عالم کاف و نوں یک لب بحرف آوردنت

نے عشق دانم نے ہوس شوق تو ام سرمایہ بس
اے صبح یک عالم نفس اندیشۂ دل مسکنت
حسنِ حقیقت رو برو شمع فضول آئینہ جو
بیدلؔ چہ پر دازد بگو اے یافتن نا جستنت

.....

ز فسانہ سازی ایں و آں ، کہ رسد بہ معنی بے نشاں ؟
ز شکستہ بال و پر بیاں بہوائے او نہ پری عبث
نگہتِ بخود چو فرا رسد ، بحقیقتِ ہمہ وا رسد
دل شیشہ گر بصفا رسد نہ طپد بو ہم بری عبث
بہوا مکش چو سحر علَم بجہاں فسونِ ہوس مدم
عدمی عدم ، عدمی عدم ، ز عدم چہ پردہ دری عبث

.....

اگر دماغم دریں شبستاں خمار شرم عدم نگیرد
ز چشمک ذرہ جام گیرم بآں شکوہے کہ جم نگیرد
بایں درشتی کہ طبع غافل خطاست تاثیر انفعالش
چو سنگ درکار گاہ مینا گر آب گردد کہ نم نگیرد
نہ رفتہ از خود ندارد امکاں بمعنی رفتگاں رسیدن
کہ خاک ناگشتہ کس دریں رہ سراغ نقش قدم نگیرد
اگر نیازم بزور ہمت ، نیم خجالت کش غرامت
کشیدہ ام بار بر دوعالم بہ پشت پائے کہ خم نگیرد

.....

چہ قدر زمنت قاصداں بگدازدم دل ناتواں
بہ برِ تو نامہ برِ خودم اگرم چو رنگ پرے رسد

ہمہ جاست شوق طرب کمیں ز وداع غنچہ گل آفریں
تو اگر ز خود روی ایں چنیں بتو از تو خوب ترے رسد

.....

فسردگی ہائے روز امکاں ترانہ ام را عناں نگیرد
حدیثِ طوفاں نوائے عشقم خموشی از من زباں نگیرد
سماجت ست ایں کہ عالمے را بسر فگندست خاک ذلت
سبک نہ گردد بچشم مردم کسے کہ خود را گراں نگیرد
مناز برمایۂ تعلق کہ کاروانِ متاع ہمت
بچار سوے کہ خود فروشی رواج دارد دکاں نگیرد
ز خود برآتا رسد کمندے بلنگر قصر بے نیازی
نہ زباں ہائے چینِ دامن کسے رہ آسماں نگیرد
اگر بعزم کشاد کاری زگوشہ گیراں مباش غافل
کہ تیر پرواز را نشاید دمے کہ بال از کماں نگیرد
فتادۂ را ز خاک بردار یا مبر نام استطاعت
کسے چہ گیرد ز ساز قدرت کہ دست واماندگاں نگیرد

.....

نظرے چو دانہ دریں چمن بخیال ریشہ شسکتہ ام
بنشینم آں ہمہ در رہت کہ قدم ز آبلہ سرکشد
سرو برگ ہمت میکشی ز دماغ بیدلؔ ما طلب
کہ چو شمع از ہمہ عضو خود قدح آفریدہ و در کشد

.....

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہِ کہ می خرامد
جگر بداغِ کہ می نشیند ، نفس بآہِ کہ می خرامد
اگر نہ رنگ از گل تو دارد بہارِ موہوم ہستیِ ما
بہ پردۂ چاکِ ایں کتاں ہا فروغ ماہِ کہ می خرامد

.....

بگذر ز شیوۂ علم و فن در پیر میکدہ بوسہ زن
کہ ز قید عالم وہم ظن بدو ساغرت بدر آورد
نہ طواف کعبہ کہ می رسد بحضور مقصد آرزو
من و سجدۂ پس زانوے کہ سراز درت بدر آورد

.....

تو کریم مطلق و من گداچہ کنی جز ایں کہ نخوانیم
در دیگرے بنما کہ من بکجا روم چو برانیم
کسے از محیط عدم چہ ز قطرہ وا طلبد نشاں
زخودم نبردۂ آں چناں کہ دگر بخود برسانیم
بہ فسردنم ہمہ تن الم ، بہ تردد آبلہ در قدم
چو غبار داغ نشستنم چو سرشک تنگ روانیم
ز حضور پیریم آں قدر اثر امتحان قبول و رد
کہ رساند بر در نیستی خم پشت پاے جوانیم
نہ بہ نقش بستہ مشوّشم نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم
نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت و چہ معانیم
ہمہ عمر ہرزہ دویدہ ام خجلم کنوں کہ خمیدہ ام
من اگر بحلقہ ننیدہ ام تو برونِ در بنشانیم

ز طنین پشۂ بے نفس خجل ست بیدلؔ ، ہیچ کس
یکجایم و چیم و کیم کہ تو جز بنالہ ندانیم

.....

زرہِ ہوس بتو کے رسم نفسے ز خود نہ رمیدہ من
بہ حیرتم یکجا روم برہت سرے نکشیدہ من
چو گل آں کہ نسخۂ صد چمن ز نقاب جلوہ کشودہ تو
چو مے آں کہ عشرت عالمے بگداز خود طلبیدہ من
چہ بلاستم کش غیرتم چہ قدر نشانۂ حیرتم
کہ شہید خنجرِ نازِ تو شدہ عالمے و طپیدہ من
تو بہ محفلے نہ نمودہ رو کہ ز تاب شعلۂ غیرتش
ہمہ اشک گشتہ برنگ شمع ز چشم خود نہ چکیدہ من
مئے جام ناز و نیاز ہا بہ خمار اگر نکشد چرا
ز سر جفا نگذشتہ تو ز درِ وفا نہ رمیدہ من
تو و صد چمن طرب نمو من و شبنمے نگہ آبرو
بہ بہار عالم و رنگ بو ہمہ جلوہ تو ہمہ دیدہ من
من بیدلؔ و غم غفلتے کہ ز چشم بند فسون دل
ہمہ جا ز جلوۂ من پرؔ است و بہیچ جا نرسیدہ من

.....

چہ شد آستان حضور دل کہ تو رنج دیر و حرم کشی
بجریدۂ سبق وفا نہ زدی رقم کہ قلم کشی
رمقے ست صورت مغتنم بہوس فسون عمل مدم
چو حباب سعی کسے مداں کہ نفس بہ پیکر خم کشی

اگرت دلیل رہِ وفا بمروتے کند آشنا
بزمیں نیفگنی از حیا برہے کہ خار قدم کشی
گذر از تردد بے اثر نہ رسی بہ منصب بال و پر
چو نہال صبر کن آں قدر کہ ز پاے خفتہ علم کشی

.....

دیدۂ حق بیں بوہم غیر می پوشی چرا اے زخود غافل ترا پیش تو عریاں کردہ اند

.....

در وادی عشق اگر دویدن باشد ہر جادۂ غیر خط کشیدن باشد
ما وَ سفرے کہ ہم چو خطِ پرکار ہر جا برسی بخود رسیدن باشد

.....

اشیاء عرض خیال دیدن بود ست اسما ہمہ افسانہ شنیدن بود ست
ایں جملہ ز خود بروں دویدن بود ست انسان گشتن بخود رسیدن بود ست

.....

# مقدمہ انتخاب مصنّفات بیدلؔ

۱۹۵۰ء

و

# منتخبات کتبِ بیدلؔ

۱۹۵۱ء

یعنی مرزا بیدلؔ کی کل تصنیفات میں سے
منتخب کردہ احوال وافکار ونکات کی تشریح وتوضیح

از کتابے بیدلے گر نقطۂ آید بدست　　نسخہ ہا آتش تواں زد تختہ ہا باید شکست
صد چمن باید بطوفانِ تغافل دادنت　　تا بخون دل توانی ایں قدر ہا رنگ بست

.....

بیدل نفس سوختہ اندوختہ ام　　داغ کہنہ بتازگی سوختہ ام
زاں شمع کہ دوش سوخت در محفل عمر　　امشب کفِ خاکسترے افروختہ ام

.....

مرزا بیدلؔ نے جیسا کہ اوپر کے قطعات میں کہتے ہیں، ''صد چمن'' کو ''طوفان تغافل'' کے حوالے کیا اس وقت ''خون دل'' سے ایسے رنگ دکھائے اور داغ کہنہ کو از سر نو جلایا اور کف خاکستر کو روشن کیا۔ دوسری جگہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سر بزانو ہوئے بغیر شوخی فکر پیدا نہیں ہو سکتی۔

در مقامے کہ بود جلوہ گہ شوخی ما　　جو ہر از موے سراست آئینہ زانو را

لیکن یہ فکر و مراقبہ ان کا ابتدائے حال نہیں انتہائے مقام تھا۔ اس سے پہلے چمن ہستی میں گل گشت بھی خوب کی۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

نشاط اینجا، بہار اینجا، بہشت ایں جا، نگار ایں جا
تو خود گر عاقلی صرف عدم کن دور بینی ہا

اکثر تجربہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے

کے فرصتِ عیش است دریں باغ کہ گل را
گر گردشِ رنگ است ہماں گردش سال است

اس باغ عالم میں سال، بارہ مہینے کا نہیں ہوتا۔ یہاں کی گردشِ سال تو بس گردش رنگ ہے۔ رنگ اڑا، سال ختم۔ اور اس چمن کی سماجت پیشہ ہستیوں کو دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہوتے ہیں، جو اک ذرا دیر کی ہنسی خوشی کے لیے وقار و آبرو کو کھو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

آبم از شرم سماجت پیشگانِ ایں چمن　　بہر یک لب خندہ نتواں آبروے سال ریخت

'یک لب خندہ' کی ترکیب کو دیکھئے اردو کی کوئی ترکیب اس اختصار کے ساتھ یہ حسن ادا پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ تراکیب بیدلؔ کی ایجاد اور ان کی مخصوص زبان و اسلوب کے عناصر ہیں۔

بیدلؔ نے شہزادہ محمد اعظم شاہ ابن شہنشاہ عالم گیر کی مدح میں قصیدہ لکھنے سے بچنے کے لیے شہزادے کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ پھر گھر بیٹھے رہے اور دنیا کے لیے گھر سے نہ نکلے۔ ۱۷۲۱ء، (۱۱۳۳ھ) میں انتقال کیا۔ دنیا سازی میں گرفتار رہتے تو شاید ''نکات'' ''چہار عنصر'' رقعات اور دیوان کے جواہر دنیا کو نہ مل سکتے۔ ان میں چہار عنصر سب سے ضخیم ہے۔ تین سو صفحات کے قریب اصحاب دل و دیں سے اپنے استفادات اور مشاہدات و حالات لکھے ہیں۔ نکات بہت مختصر ہیں صرف ۶۷ صفحے۔ روحانی، علمی و اخلاقی نکتے اور اشارے بیان کیے ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں اس کثرت سے غزلیں، مثنویاں، نظمیں، قطعات، رباعیاں شامل ہیں کہ نثر سے کم نظم کا حصہ نہیں ہے۔ رقعات کے ۱۵۰ صفحے ہوں گے۔ بہت دلچسپ ہیں۔ اپنے زمانے کے امراء و احباب کو رقعے لکھے ہیں۔ جن سے اس دور کی تاریخ اور خود مرزا بیدلؔ کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں بھی اشعار کی تعداد کافی ہے۔ دیوان غزلیات مختصر ہے۔ ۷۵ صفحے کا لیکن دوسری تالیفات کی غزلیں اور نظمیں ملا کر دیوان کی ضخامت دو چند سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ دیوان میں سب غزلیں چھوٹی اور درمیانی بحروں کی ہیں۔ طویل بحروں کی سب غزلیں ''نکات'' میں ہیں۔ نکات اور چہار عنصر کی غزلیں نثر کے درمیان میں آتی ہیں۔ اس لیے وہاں کے موضوعات کے مناسب ہیں اور اسی لیے ان میں تصوف کا رنگ بہت گہرا ہے۔ دیوان کی غزلوں میں ہر نوع کے اشعار ہیں۔

کلیات بیدلؔ کا پہلا رسالہ نکات ہے۔ اس میں سب سے پہلے حمد و نعت کا صرف ایک ایک جملہ لکھا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ نعت کو حمد پر مقدم کیا ہے اور دلچسپ تر یہ کہ دونوں جملے ایسے اسلوب سے لکھے ہیں کہ گویا حمد و نعت نہیں لکھ رہے بلکہ پہلی سطر سے نکات بیان کر

رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔" اگر منکر نبوت نہ باخطرات جز بہ تعظیم پیش صبا۔ واگر برتجلی ایمان داری ہیچ جانب بے ادب چشم مکشا۔"

کتاب کا یہ آغاز بھی بیدلؔ کی جدت سمجھئے۔ اس فقرے کے بعد اسی کی مناسب ایک رباعی لکھی ہے۔ اس کا دوسر شعر قابل دید ہے:

چشمے کہ کشائی بتامل بکشا تا از مژہ رنگِ جلوہ پانخورد

کہیں ایسا نہ ہو کہ بے پروائی کے ساتھ آنکھ کھولنے سے رنگ جلوہ کو پلک کی ٹھوکر لگ جائے۔ یہ نازک خیالی بیدل کا حصہ تھی۔ دوسروں کے یہاں بہت کم ملے گی۔ بیدلؔ کے کلام میں بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد دو جملے لکھے ہیں جو اسلامی تعلیم کا خلاصہ ہیں:

".....شخصِ ظاہر را بمظہر یت مستا، تا فضول انجمنِ تحقیق نباشی۔ آسماں را بہ رفعت مفخر میند پیش تا برائے خود پستی فطرت نتراشی۔"

یعنی کسی ہستی کو خدا کا اوتار نہ مانو ورنہ اہلِ تحقیق کے نزدیک تم یاوہ گو سمجھے جاؤ گے۔ اور آسمان کو بھی اپنے سے بلند نہ سمجھو ورنہ تمہاری فطرت کے اندر پستی کا احساس پیدا ہو جائے گا اور خود اپنی نظر میں ذلیل ہو جاؤ گے۔ مومن کا ہمیشہ یہی مسلک رہا ہے اور رومیؔ سے اقبالؔ تک سب نے اسی کی تبلیغ کی ہے۔

اس فقرے کے بعد ایک رباعی لکھ کر غزل شروع کرتے ہیں۔ مطلع ملاحظہ ہو:

بخیالِ چشم کہ می زند قدح جنوں دلِ تنگ ما

کہ ہزار میکدہ می دود برکاب گردشِ رنگِ ما

دوسرا مصرعہ بیدلؔ کے سوا کون کہہ سکتا تھا۔ پہلے مصرعہ کے "قدح جنوں" کو دیکھئے اور دوسرے مصرعہ کے الفاظ اور مضمون پر غور کیجئے۔ 'قدح' اور 'جنوں' دونوں سے مصرعِ ثانی پیدا کیا ہے کہتے ہیں۔ ایسا قدح جنوں پیا ہے کہ ہزاروں میکدے ہماری گردشِ رنگ کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ یہ کسی کی چشم مست کا تصور ہے۔

نکات ہی میں بیدلؔ کی وہ غزل ہے جس کا مشہور مطلع ہے۔

ستم ست گر ہوست کشد کہ بسیرِ سرو سمن در آ

تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دلِ کشا بچمن در آ

اس غزل میں مطلع سے بہتر شعر نہیں ہے۔ لیکن بعض اور شعر بھی دلچسپ ہیں۔ مثلاً اس نازک خیالی کو دیکھئے:

چو ہوا ز ہستیٔ مبہمے بتا ملے زدہ ام خمے

گرہِ حقیقت شبنمے بشگاف و در دل من در آ

شبنم کی حقیقت کو دیکھئے، مصرع اول میں کس طرح بیان کی ہے۔ چو ہوا..... زہستی مبہمے ..... بتا ملے ..... زدہ ام خمے ..... کوئی لفظ بے کار نہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ شبنم کو یہ کہنا کہ ''ہوا نے ہستیِ مبہم میں ایک خم پیدا کر دیا ہے یا گرہ لگا دی ہے۔'' عام بات تھی، ہر شخص کہہ سکتا تھا لیکن ''بتا ملے'' کی نزاکت دوسرے سے پیدا ہونی مشکل تھی۔ ''تامل'' کی ہیئت ظاہری سے زیادہ کیفیت باطنی میں جو خم اور گرہ کی صورت ہے اس کو شبنم کے اندر تصور کرنا بیدلؔ کا ہی کام ہے۔

اصل میں مصرعہ اول میں بیدلؔ خود اپنا حال بیان کر رہے ہیں لیکن اپنی ہستی مبہم کے خم تامل کو شبنم سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس کے ایک ایک لفظ کو شبنم پر صادق کر دیتے ہیں۔

نکات میں بیدلؔ نے بڑے دقیق نکتے لکھے ہیں جن میں طریقت و حقیقت کی باریکیاں حل کی ہیں۔ ایک مثال دیکھئے۔ ہر جملے میں بیدلؔ کی خاص نازک خیالی و معنی آفرینی موجود ہے۔

نکتہ: مقصد از سر بگریباں بہ فکر تحقیق خود افتادن ست نہ از سرگرانی ہائے بے حسی در سر زانو دادن۔ و مدعاے تامل بہ کنہ معنی وارسیدن ست۔ نہ غبار مژگاں بر فرق بینش پاشیدن۔ معنی تفکر غور حقیقت اشیاء ست و حقیقت اشیاء بقدر عرض صور چہرہ کشا۔ دریں تماشا کدہ بہ فسونِ تخیل خواب بر طبیعت نباید گماشت و بہ فریبِ تفکر دامن شہود از چنگ فرصت نباید گذاشت۔ جلوۂ بے نقاب را بہ خیالِ مشاہدہ نمودن از نازکی ہائے محرومی نگاہ ست و از معنی مکشوف معما تراشیدن دلیل

دقت ہائے فطرت کوتاہ۔"

خط کشیدہ جملوں اور آخری دو جملوں کو دیکھئے۔ کیا حسن ادا پیدا کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ سر بگریباں ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اپنی حقیقت کو سمجھنے کی فکر کی جائے نہ یہ کہ بے حسی کے ساتھ زانو پر سر رکھ دیا جائے کہ زانو میں درد ہونے لگے اور حاصل کچھ نہ ہو۔ تامل کرنے اور آنکھ بند کر کے سوچنے سے مدعا یہ ہونا چاہیے کہ حقیقت کی تہہ تک پہنچ جائیں نہ یہ کہ صرف مژگاں کا غبار بینائی کے سر پر ڈال دیا جائے، تفکر کے معنی حقیقت اشیا پر غور کرنا ہے اور اشیاء کی حقیقت صورتوں کے پیش نظر ہونے سے دریافت ہو سکتی ہے۔ اس تماشا کدۂ عالم مین تخیل کے جادو سے طبیعت پر خواب طاری نہ کرنا چاہیے۔ یعنی نام ہو تخیل اور تفکر کا لیکن طبیعت خواب غفلت میں ہو۔ اور تفکر کے فریب میں آ کر کہیں ایسا نہ ہو کہ جو فرصتِ حیات حاصل ہے۔ اس میں مظاہر عالم کا مشاہدہ نہ کیا جائے۔ جلوۂ بے نقاب کو صرف خیال میں مشاہدہ کرنا اگر کوئی نزاکت ہے تو اصل میں اس کو محرومی نگاہ کی پیدا کی ہوئی نزاکت سمجھنا چاہیے۔ اور معنی واضح وصاف کو معما بنانا اگر دقّت آفرینی ہے تو اس کا بانی و باعث فطرت کوتاہ کو تصور کرنا چاہیے۔

مژگاں کو غبار کہنا اور آنکھیں بند کرنے کو غبار مژگاں برفرق بینش پاشیدن سے تعبیر کرنا کس قدر دلکش ہے۔ یہ مضمون غزل کے اس شعر میں بھی لکھتے ہیں:

شش جہت آئینہ دار شوخی اظہار اوست

نیست جز مژگاں حجابے را کہ برداریم ما

اس نکتے کے بعد جو قطعہ لکھا ہے اس میں بھی یہی بات کہتے ہیں:

دیدہ را ترک ہوس ہائے غذدن ہنرست

ورنہ ایں جا رگِ خواب از مژہ نزدیک تر ست

غافل از ظاہر آفاق نباید بودن
آخر اے بے خبر ایں بزم طلسم صورست

خوب کہا کہ رگِ خواب پلکوں سے بہت قریب ہے۔ پلکیں بند ہوئیں اور خواب غفلت طاری ہوا۔ اس لیے آنکھوں کو ترک ہوسِ خواب دشوار ہے مگر یہی ان کا ہنر اور کمال ہے۔ یہ بزم دنیا آخر صورتوں اور شکلوں کا ہی طلسم ہے۔ پھر ان سے تغافل اور تجاہل کیوں کر اختیار کیا جائے۔

نکات میں اکثر غزلیں طویل بحروں کی ہیں اور نہایت مترنم اور دلکش ہیں۔ بہت سی غزلوں میں نئی اور دلچسپ زمین نکالی ہے۔ ایک غزل کے دو چار شعر دیکھئے:

زرہِ ہوس بتو کے رسم نفسے ز خود نہ رمیدہ من
ہمہ حیرتم بکجا روم برہت سرے نکشیدہ من

چو گل آنکہ نسخۂ صد چمن ز نقاب جلوہ کشودہ تو
چو مے آنکہ عشرتے عالمے ز گداز خود طلبیدہ من

چہ بلا ستم کش غیرتم چہ قدر نشانۂ حیرتم
کہ شہیدِ خنجر ناز تو شدہ عالمے و طپیدہ من

تو بہ محفلے نہ نمودہ رو کہ ز تابِ شعلۂ غیرتش
ہمہ اشک گشتہ برنگ شمع ز چشم خود نہ چکیدہ من

تو و صد چمن طربِ نمو ۔ من و شبنمے نگہ آبرو
یہ بہار عالمِ رنگ و بو ہمہ جلوہ تو ہمہ دیدہ من

دوسرے شعر میں مضمون آفرینی اور الفاظ و تراکیب کا حسن دیکھئے۔ کہتے ہیں کہ ''وہ شخص جس نے گل کی طرح نقابِ جلوہ سے نسخۂ صد چمن کھول دیا ہے، تو ہے۔ اور وہ شخص جس نے شراب کی مانند ہمہ تن گداز ہو کر عشرتِ عالم کا سامان مہیا کیا ہے، میں ہوں۔'' کھلے ہوئے پھول کو کھلا ہوا نسخۂ صد چمن کہا ہے۔ اور شراب کو سراپا گداز ہو کر عشرتِ عالم کا سبب قرار دیا ہے۔ کیا حسنِ تخیل ہے!

پانچویں شعر کا تو جواب ممکن نہیں۔ ''تو وصد چمن طربِ نمو'' کہنا بھی نہایت لطیف تھا لیکن ''من و شبنمے نگہ آبرو'' تو بیدلؔ کی خصوصیت ہے۔ شبنم کی تشبیہ آنکھ سے مشہور ہے اور آنکھ کی آبرو نگاہ سے ہے۔ گویا شبنم دیدۂ نگہ آبرو ہے لیکن اس طرح کہتے تو یہ لطافت پیدا نہ ہوتی۔ دیدہ کا لفظ حذف کر دیا اور ''شبنمے نگہ آبرو'' کہا اب شبنم ''مانند دیدہ'' نہیں بلکہ ''عینِ دیدہ'' ہوگئی۔ اور دوسرے مصرعہ میں ''ہمہ دیدہ من'' کس قدر درست و مطابق ہوگیا۔ اس موقع کے لیے نگہ آبرو کی ترکیب کسی دوسرے کے ذہن میں آنی مشکل تھی۔ آبرو کی مناسبت شبنم سے اور شبنم کی چمن۔ نمو۔ بہار سے ظاہر ہی ہے۔ پورے شعر کا لطف واثر کیا بیان میں آسکتا ہے۔ پڑھیے اور مزہ لیجیے۔

مرزا بیدلؔ نے اپنے نکات میں اس امر پر بہت زور دیا ہے کہ انسان کو دنیا میں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہییں اور دیدۂ وا وچشم بیدار سے کائنات کا مطالعہ کرنا، اس سے حظ حاصل کرنا اور اس پر غور کرنا چاہیے اس مضمون کا ایک اور نکتہ نقل کرتا ہوں۔ نکتہ کے بعد قطعہ ہے۔ دونوں میں ایک ہی مضمون ہے اور دونوں میں بیدلؔ کا اسلوب قائم ہے۔ اس لیے دونوں کو ساتھ لکھتا ہوں۔

نکتہ: ''۔ چشم پوشیدہ ہر چند فردوس در قفس دارد آئنہ دار کوری ست و مژگانِ خوابیدہ اگر ہمہ اقبالش چراغ زیر دامن باشد دلیل بے نوری ست۔ اگر بخیہ ہائے مژگاں از ہم نمی تواں گسیخت۔ نمکِ گریہ بریں زخم ہا باید ریخت۔ و اگر بایں پیہ(۱) افسردہ شمع نگاہے نتواں افروخت بہ طمعگی زاغے وزغن باید فروخت۔''

قطعہ:

چشم خواب آلود کلفت خانۂ در بستہ است
سیل اگر غافل شود آتش درین بنیاد ریز

در ہمہ آئینہ دار گوہر راز دل ست
یک کف خاکش کن و در رہگذار باد ریز

---

(۱) چربی

زندگی بیداری ست ایثار جان پاک کن

صورت مرگ ست رنگ خواب ، بر اجساد ریز

رنگ ہا در پردۂ تحریکِ مژگاں خفتہ است

ہرچہ می خواہد دلت زیں خامۂ بہزاد ریز

مدعا ایں ست کز سعی نظر غافل مباش

بر اثر ہائے تماشا ہر چہ بادا باد ریز

نکتہ میں کہتے ہیں کہ بند آنکھ خواہ اپنے قفس کے اندر بہشت رکھتی ہو پھر بھی عدم بصارت کی آئینہ دار ہے۔ اور بند پلک اگر تمام دنیا کے اقبال کے چراغ زیر دامن بنائے ہوئے ہو پھر بھی بے نوری کی دلیل ہے۔ اگر پلکوں کی بخیہ ادھیڑی نہیں جا سکتی تو ان زخموں پر نمکِ گریہ چھڑکنا چاہیے۔ (گویا آنکھیں زخم ہیں اور بند پلکیں ان کے ٹانکے) اور اگر آنکھوں کی جمی ہوئی چربی سے شمع نگاہ روشن کرنا ممکن نہیں ہے تو اس چربی کو زاغ وزغن کے کھلانے کے لیے فروخت کر دینا چاہیے۔

قطعہ میں فرماتے ہیں کہ چشم خواب آلود گویا ایک در بستہ کلفت خانہ ہے۔ اگر اس گھر کو سیلاب نہیں بہا کر لے گیا تو اس میں آگ لگا دو۔ یہ چشم خوابیدہ خواہ اسرار غیب کی آئینہ دار ہو پھر بھی اس کو خاک کر کے ہوا میں اڑا دو۔ زندگی بیداری کا نام ہے۔ ایسی زندگی روح کو بخشنی چاہیے۔ خواب صورتِ مرگ ہے اس موت کو اجسام پر مسلط کر دو۔

مژگانِ خفتہ کی جنبش کے پردے میں کیا کیا رنگ رکھے ہوئے ہیں۔ مژگاں گویا کلکِ بہزاد ہے۔ اس سے جو چاہو نقش بنا لو (لیکن قلم جنبش کرے گا تو تصویریں بنیں گی۔ پلکیں اٹھیں گی تو آنکھ کھلے گی تو جلوے سامنے آئیں گے)۔ مدعا یہ ہے کہ سعی نظر سے غافل نہ رہو۔ نظارہ وتماشا کے اثر ونتیجہ کی پروا نہ کرو۔ ہر چہ بادا باد۔ بقول مرزا داغ ؎

بہار عمر میں باغ جہاں کی سیر کرو کھلا ہوا ہے یہ گلزار دیکھتے جاؤ

نکات کی ایک اور غزل کا یہ شعر دیکھئے۔ پیغام عمل ہے کہ طلب عیش وطرب سے غافل

نہ رہو۔ اگر موجودہ حالت سے بہتر صورتِ طرب حاصل کر سکتے ہو تو موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو:

ہمہ جاست شوقِ طرب کمیں ز و داغ غنچہ گل آفریں
تو اگر ز خود روی ایں چنیں بتواز تو خوب ترے رسد

شوق کو طرب حاصل کرنے کے مواقع ہر جگہ حاصل ہیں۔ دیکھو غنچہ اپنی خودی کو چھوڑتا ہے۔ حالت غنچگی سے نکلتا ہے تو اس کو گل حاصل ہو جاتا ہے۔ تم بھی اسی طرح اپنی خودی اور موجودہ حالت کو ترک کرو گے تو تم سے خوب تر ہستی تم کو مل جائے گی۔ دیوان میں بھی غنچہ و گل کی اس تشبیہ کو دوسرے مضمون میں لکھا ہے:

دوری دامن وصل ست بخود پیچیدن
غنچہ گر وا شود از خویش گلش در چنگ است

افسردگی و بیدلی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور کس قدر شور انگیز آہنگ کے ساتھ۔

فسردگی ہائے ساز امکاں ترانہ ام راعناں نگیرد
حدیث طوفاں نوائے عشقم خموشی از من زباں نگیرد

میں تو عشق کی حدیث طوفاں ہوں۔ طوفان کا شور میرے ترانے میں ہے۔ کہیں طوفان کے شور کو روکا جا سکتا ہے۔ پھر خاموشی میری زبان کیا پکڑ سکتی ہے۔

اس غزل میں مناسبات کے ساتھ یہ شعر بھی خوب نکالا ہے:

مقاز برمایۂ تعلق کہ کاروانِ متاع ہمت
بچار سوئے کہ خود فروشی رواج دارد، دکاں نگیرد

جس چوک بازار میں خود فرشی کا رواج ہو وہاں کاروانِ متاع ہمت اپنی دکان نہیں لگاتا۔

لیکن ''بیدلیت'' اس شعر میں زیادہ ہے۔

ز خود بر آتا رسد کمندے بکنگر قصر بے نیازی

یہ نرد باں ہاے چینِ دامن کسے رہ آسماں نگیرد

''دامن چننا'' جاہ ودولت کی علامت ہے۔اہل دنیا کا شیوہ ہے۔دامن چننے سے شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ان کو سیڑھی کہا ہے۔کہتے ہیں کہ چینِ دامن کے زینہ پر چڑھ کر کوی شخص آسمان پر نہیں جا سکتا۔اوراس شعر کی تخیل وتشبیہ بھی خوب ہے۔

اگر بعزم کشادِ کاری زگوشہ گیراں مباش غافل

کہ تیر پرواز را نہ شاید دمیکہ بال از کماں نگیرد

تصور کیجئے کہ تیر کمان میں لگا ہوا ہے اور کمان کھنچی ہوی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ پرند پر پھیلائے ہوئے ہے۔کہتے ہیں کہ تیر میں کمان کے پر نہ لگیں تو وہ اڑ نہیں سکتا۔اور کمان گوشہ گیر ہے۔گویا یہ اس کی گوشہ گیری کا فیض ہے جو تیر کو پہنچتا ہے۔تم بھی اگر کشاد کار کا عزم رکھتے ہو تو گوشہ گیروں سے ہمت طلب کرو۔

یہ نکات بیدل کی مختصر سیر ہوئی۔چہار عنصر میں اس سے بہت زیادہ دلچسپ حصے انتخاب کیے جا سکتے ہیں۔چہار عنصر میں بیدل کے حالات زندگی بھی جا بجا ملتے ہیں۔ان کے واردات ومکاشفات بھی ہیں۔اہل اللہ کے فیوض وکرامات بھی ہیں اور تصوف کے مباحث بھی۔طرز عبارت وہی ہے جو نکات میں ہے۔استعارہ وتشبیہ کی نزاکتیں اور لطافتیں بھی وہی ہیں۔عنصر اول میں ''گرمی ہائے صحبت اہل فضل وکمال'' کا تذکرہ کرتے ہیں اوراس سلسلہ میں سب سے پہلے مولانا شیخ کمال کا نام لیتے ہیں۔ان کی مدح میں یہ شعر خوب کہا ہے۔

بزرگی ہا خیال فضل تامش کمال اندیشہ تعظیم نامش

بزرگی کیا ہے؟ان کے فضل وکمال کا تصور۔کمال کیا ہے ان کے نام کی تعظیم کا خیال۔اور یہ فقرہ بھی بہت خوبصورت ہے۔

''۔باوجود تقیدات جسمانی چوں نفس وارستگی بنیاد۔وباکمال تعلقات مکانی چوں

نگاہ از خانماں آزاد۔"

اس کے بعد رباعی کے اس شعر میں آزادی کی ایک اور مثال دیتے ہیں۔

چوں پر تو شمع از سبک روی ہا  در پیرہن و ز پیراہن آزاد اند

نور شمع کے لیے شعلۂ شمع پیرہن ہے۔ لیکن نور اس پیرہن میں رہ کر بھی پیرہن سے آزاد ہوتا ہے۔ مولانا نے شیخ کمال سے استفادہ طریقت و معرفت، ان سے اعمال و اوراد کی اجازت، ان کے اور اپنے کرامات بڑے لطف سے بیان کیے ہیں۔ مولانا کی محفل صحبت کا پاس ادب بیان کرتے ہیں کہ حاضرین کے دل میں شوخی و بے ادبی کا تصور و خطرہ بھی پیدا نہ ہوتا تھا لیکن یہ مفہوم اس پیرائے میں ادا کرتے ہیں۔

"در ادب گاہ گلشنِ ظہورش خیالات پردۂ تصور ہا ناچار در رنگ تصویر می خوابید۔ و در تسلیم کدۂ محفل صحبتش شوخی تمثال خواطر بے اختیار سر در حیرت آئینہ می دزدید۔"

مولانا کا ایک قول لکھتے ہیں:

"سازِ حقیقت از دست مجاز تراشانِ بے اصول کمیں گاہ صد محشر فریاد است۔ و حسن معنی از نگاہ لفظ آشنایانِ بے ادراک غبار آلود عالم بیداد۔"

"بے اصول" اور "بے ادراک" کے اضافے "ساز" اور "معنی" کے ساتھ کس قدر موزوں ہیں۔ اسی طرح "صد محشر" اور "یک عالم" نے کس قدر ترقی پیدا کر دی جب کہ دوسرا جملہ غبار آلود تک ہی مکمل اور بامعنی تھا۔ "بیداد" کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن "بیداد" سے صرف "فریاد" کا قافیہ نہیں ہوا بلکہ حسن پر ظلم کرنے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔

عنصر دوم میں ایک جگہ ایک مجذوب شاہ کابلی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ایک روز دہلی میں گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ دیکھا کہ سامنے سے جو لوگ آ رہے ہیں وہ مجھے دیکھ کر ہنس رہے ہیں۔ آگے بڑھا تو ایک راہ گیر کو یہ کہتے سنا کہ اس سوار کے پیچھے ایک دیوانہ ہے۔ جو بالکل گھوڑے کی چال سے اچھلتا کودتا آ رہا ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو شاہ کابلی تھے۔ یہ دیکھ کر

"بے خودانہ خود را از اسپ برزمیں انداختم و سایہ وار رخش جبیں را بعرصۂ سجود تاختم"

اس کے بعد عجیب جوش ومحبت سے بھرے ہوئے شعر لکھتے ہیں۔

تا دو چار ناز کرد آں نرگس مستانہ ام

شوق جوشے زد کہ می پنداشتم میخانہ ام

یار شد بے پردہ، دیگر تاب خودداری کراست

اے رفیقاں نو بہار آمد کنوں دیوانہ ام

دوسرے مصرع کا جوش اور چوتھے مصرعے کا شوق قابل دید ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔ ''می پنداشتم مے خانہ ام'' اس کے بعد لکھتے ہیں ۔ وہیں ایک دوکان خالی نظر آئی۔ ہم دونوں وہاں جا بیٹھے۔ میں نے اپنا حال بیان کیا کہ اب میں آزاد نہیں رہا۔ شادی کر لی ہے۔ تخمِ تجرد بہ ریشۂ تاہل تنیدہ است۔ لیکن مجھے خبر مل گئی ہے کہ میرا ''نخل یکتائی'' ''ثمر نتائج'' سے آزاد رہے گا۔ اور میرے ''حدیقہ بے تعین'' میں ''شگوفۂ دورنگی'' پیدا نہ ہوگا۔ شاہ کابلی نے فرمایا۔ سچ کہتے ہو۔ ہم لوگوں کی تو یہ شان ہے کہ لم یکن لہ کفوا احد.

عنصر سوم سے ایک لطیفہ لکھتا ہوں ۔ بڑے لطف سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں اکبر آباد (آگرہ) میں پیر کام گار (نام نہیں لکھا) اپنی سعادت ازلی سے فقرا کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ اور فقیر کو بھی اس گروہ میں شامل سمجھ کر بہت تواضع سے پیش آتے تھے ان کی صحبت میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو نظم کو نظم کی طرح پڑھ بھی نہ سکتے تھے نہ اصول شعر وعروض سے واقف تھے، پھر بھی خاقانی وخسرو کو اپنے سامنے کچھ نہ گردانتے تھے۔ دوسروں کے مضامین سرقہ کر کے نظم کر لیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک قطعے میں ان لوگوں کی ہجو کرتے ہیں:۔

ناقصے چند کہ در تفتیش گاہ امتیاز

آدمیت داشت از اوضاع شاں ننگِ خری

بوسہ گاہ فطرت اصلی سم گاوِ زیں

گردن دعویٰ ز شاخ ثور گردوں برتری

بال و پر مشتے خس و پرواز اوجِ کہکشاں

جادہ ہائے بے سپر وانگہ دماغ محوری

بے خبر کز دست گاہ یک دو لفظِ مستعار

پیش نتواں برد بامعنی سپاہاں ہمسری

گر بود عرضِ کمال آئینہ وا داشتن

از نمد ہم می تواند جوش زد از اسکندری

(آئینے کو نمدے کے کیسہ میں رکھتے تھے کہ نمی کے اثر اور زنگ سے محفوظ رہے۔)

از رہ تقلید نتواں صاحب معنی شدن

ژالہ بیش از یک دو دم برخود نچیند گوہری

رتبۂ معنی بقدر ہمت مرد ست و بس

گر بہ بندد آبلہ از پا نمی آید سری

پھر کہتے ہیں میں ان لوگوں سے الگ رہتا تھا۔ ''بے دماغی ہائے ذوق وارستگی قید ہم طرحی شاں نہ پسندید۔'' ان لوگوں کو یقین تھا کہ میں ایک بیت یا ایک مصرع بھی موزوں نہیں کر سکتا۔ ایک روز میر کامگار کے ساتھ ''باغ دھری'' (اس کا پتہ نہ چلا کہ کون سا باغ تھا، آگرے میں کس مقام پر تھا۔) کی سیر کو جانے کا اتفاق ہوا۔ اس نزہت کدے کی کیفیت ہوا نے سلسلۂ موزوں ادائی میں تحریک پیدا کی اور تصور میں تازہ مضامین آنے لگے اس کے بعد طویل عبارت میں وہ تازہ مضامین لکھے ہیں اور شاعری و عروض کے تلازمہ کے ساتھ باغ کا منظر دکھایا۔ دو ایک جملے یہ ہیں:

''روانی طبع آب رواں از بحر طویل جوئے ہا مبتدیٔ انداز نازیدن۔ و بدیہہ امواج بہ ترجیع بند فوارہ ہا منتہی پرواز بالیدن۔ رباعی وضع حوض ہا از لب ریزی معانیِ آبدار مائل مستزاد رسانی۔ وقصیدہ آبشار ہا از ہجوم سلاست ریزش مسجع طراز مسلسل خوانی۔''

غور کیجئے تو ایک ایک لفظ برمحل اور موزوں تلاش کیا ہے۔ نہروں سے جو پانی چمنوں میں لایا گیا ہے وہ آہستہ آہستہ بہہ رہا ہے گویا ناز کرنے کے انداز سیکھنے میں ابھی مبتدی ہے۔ موجیں خود بخود اچھل کر گویا بدیہہ گوئی کر رہی ہیں۔ فواروں کا پانی بلند ہو کر پستی کی طرف راجع ہوتا ہے گویا ترجیع بند ہے۔ امواج کو بلندی کا منتہی کہا ہے۔ رباعی کو مستزاد کیا چاہتا ہے۔ حوضوں میں پانی برابر بڑھ رہا ہے گویا رباعی مائل مستزاد رسانی ہے۔ آبشاروں میں شور بھی ہوتا ہے اور ''سجع'' فاختہ کی آواز کو بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابھی ہم سیر باغ میں مصروف تھے کہ یکا یک آندھی آ گئی۔ اس قدر خاک اڑی کہ باغ کا حلیہ بگڑ گیا۔ تماشائیوں نے منہ چھپا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس مضمون کو کس قدر خوبصورتی سے لکھتے ہیں:۔

''ناگاہ جنون جولانی طبیعت نسیم غبارے از کمین بے اعتدالی دمانید۔ و نظم ترتیب ایں چمنستاں بشوخی ہائے مراتب نثر پوشائید۔ سر بہ ہوا افروختن تماشائیاں محتاج سیر گریبان گردید۔ و وسعت آغوشی نظارہ ہا بمضمون مژگاں بستن انجامید۔''

خوب کہا۔ تماشائی جو سر اٹھائے سیر باغ میں مصروف تھے اب سیر گریباں کے محتاج ہو گئے اور نظارہ کے وسعت آغوشی آنکھیں بند کرنے کے مضمون پر ختم ہوئی۔ ''مضمون'' کا لفظ خوب رکھا ''بستن'' کو مژگاں اور مضمون دونوں سے تعلق ہے اور ''وسعت'' سے بھی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب یہ طوفان فرو ہوا تو میر کامگار نے مجھ سے فرمائش کی کہ اس کیفیت کو نظم و نثر میں بیان کیا جائے۔ یہ بلاشبہ طبیعت آزمائی کا موقع تھا اس لیے ''برق آہنگی شوق'' نے ''ننگ افسردگی'' کو پسند نہ کیا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ ''دشمنان ہرزہ تاز'' کسی وہم و بدگمانی کی غبار انگیزی کریں بیدل کا خانۂ سبک عناں منزل پر پہنچ گیا اور اس مضمون کا نام سرمۂ اعتبار رکھا گیا۔ سرمۂ اعتبار کو ایک نظم سے شروع کرتے ہیں جس کا مطلع یہ ہے۔

نہ غبارست کزیں دشت پرافشاں برخاست
نگہے فال تماشا زد و مژگاں برخاست

یہ غبار نہیں اٹھا ہے بلکہ نگاہ نے تماشا دیکھنا چاہا ہے اس لیے پلک اٹھی ہے۔ غبار کی تشبیہ مژگاں سے نہایت موزوں ہے۔ سرمۂ اعتبار کی تمام نظم ونثر جو پانچ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے فی الحقیقت بہت عمدہ ہے۔ عنصر چہارم میں بقول بیدلؔ کے ''صور عجائبات'' اور ''نقوش غرائب'' تحریر کیے گئے ہیں۔ یعنی بیدلؔ نے بہت سے عجیب وغریب واقعات لکھے ہیں جو ان کے ذاتی مشاہدے اور تجربے میں آئے۔ ان میں سے بعض واقعی نہایت نادر الوقوع ہیں جن کی تاویل وتوجیہہ نہایت دشوار ہے۔ لیکن جو یا جن کی مثل پہلے بھی اولیاء اللہ اور اربابِ صفا سے منقول ہوئے ہیں۔ میں دو مختلف نوعیت کے واقعات بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔

واقعہ: (۱) لکھتے ہیں کہ سوادِ اکبر آباد (مضافاتِ متھرا) میں ایک دن صبح کی سیر کے لیے نکلا۔ ''بکشاد بال سحر پرواز اہتزازے داشتم'' ابھی آفتاب طلوع ہی ہوا تھا کہ راستے کی مغربی سمت ایک بجلی چمکی اور نور کے دو فوارے دور سے طناب کی طرح کھنچ گئے ..... ''برقے درخشید ودو فوارۂ نور از دور طناب کشید'' ..... میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ رشتہ نور میرے اوپر تنا ہوا ہے اور اس کی چمک نے میرے سراپا کو لپیٹ لیا ہے ..... چوں وار رسیدم سر گران رشتہ بر من تنیدہ بود ولمعۂ آں بر سراپایم پیچیدہ ..... میں نہایت متحیر ہوا کہ اگر اس کو خطِ شعاع تصور کیا جائے تو آفتاب اس قدر بلند نہیں ہوا ہے اور میرا رخ مغرب کی طرف ہے۔ مغرب سے کیونکر یہ استنباط پر تو ممکن ہے۔ اس لیے دریافت کرنا چاہیے کہ یہ سلسلہ طناب کس خیمے سے تعلق رکھتا ہے اور یہ موجِ شعشعہ کس چشمہ سے پیدا ہوئی۔ تفتیش کے لیے میں جس قدر آگے بڑھتا تھا روئی کی طرح آگ کے قریب ہوتا جاتا تھا۔ ''چوں پنبہ مقارن آتش گردیدم'' یہاں تک کہ میرا عضو عضو جلنے لگا اور دم گھٹنے لگا۔ اس کیفیت کو ایک قطعے میں بیان کرتے ہیں جس کے دو ایک شعر یہ ہیں۔

بسکہ آغوش جہات امن بر من تنگ بود

چشم ہر جا کہ می کشودم چوں شرر می سوختم

گریہ ہم آبے نہ زد برآتش من ہمچو شمع

باوجودِ دست گاہ چشم تر می سوختم

اضطرابم ہم چو تاب شعلۂ جوالہ داشت

گرد رہ می گشتم و پاتا بسر می سوختم

اس کے بعد لکھتے ہیں اس کیفیت کا راز اس طرح معلوم ہوا کہ میں نے خانہ بدوش خاندان کو جنگل میں مقیم پایا۔ان میں ایک پری پیکر تھی۔اس کی آنکھوں سے شعاع کی طرح نگاہ نکل رہی تھی ''مدنگاہش بایں شعاع از خانہ ہائے چشم بیروں دویدہ''۔بیدلؔ تاب دیدار نہ لا سکے اور فوراً اس ورطہ آتش سے سلامت نکل آئے۔کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد میں تین مہینے متھرا میں مقیم رہا لیکن ایک ساعت کے لیے بھی تپ محرق سے راحت نہ ملی۔کافور بدن پہ ملتا تھا لیکن سوزش کم نہ ہوتی تھی۔دریا میں نہاتا تھا لیکن راحت نہ ملتی تھی۔اس کے بعد قطعے میں کیا خوب کہتے ہیں:۔

جلوہ نیرنگ ایں آئینہ را تعداد نیست

قدرت آباد ست از خاصیت انساں مپرس

واقعہ(۲)

بیدلؔ لکھتے ہیں کہ ان کے دوستوں میں ایک شخص انوپ چتر نقاش تھا۔نثر میں اس کے کمال مصوری کی تعریف کر کے نظم میں لکھتے ہیں

خامۂ او ہر کجا تصویرِ شمع می کشید

تا قیامت داشت از رنگش چراغ افروختن

ہیئتِ پروانہ گر در نظر می بست نقش

نفس دود انگیخت تا محشر ز بالش سوختن

ریشۂ نخلے کہ از کلکش نم پرواز یافت

در بہارش شاخ خم می شد ز بار اندوختن

پھر کہتے ہیں کہ وہ مصور فقیر کا قدیم آشنا تھا۔ ''با فقیر مدت ہا آشنائیش بہار موافقت داشت'' اس کی بڑی آرزو تھی کہ میری تصویر بنائے۔ ''یعنی از نقش تصویر بیدلؔ ہنگامۂ نیرنگی سازد'' لیکن مجھے اس قسم کے فضول اشغال کی طرف توجہ نہ تھی ۔مگر اس کی التجا والحاح کا تقاضا تھا:۔

کو سر کہ کنم نقش چو پائے سپرت
یا رنگ کے گردم ز ہوس گرد سرت
آئینہ چہ دارد ز سرو برگ قبول
جز آں کہ ترا جلوہ دہد در نظرت

گویا مصور یہ کہتا تھا کہ میں آئینے کی مثل ہوں۔ آئینہ اس کے سوا کیا کر سکتا ہے کہ تمہارے سامنے خود تمہارا ہی جلوہ پیش کر دے۔ کہتے ہیں آخر کار:۔

''سرنگونی ہائے خامۂ ضراعتش بآئینہ پردازی نیاز آں ہمہ در شکست کہ صورت ایں عجز سرشت ناچار بر صفحۂ اثر نقش بست۔ کیفیتے منظور تماشا گردید کہ تحقیق در برابرش شبہ می پیمود و آئینہ در مقابلش عکس می نمود بہ تفتیش تفاوت و امتحان شعور ہر چند بہ تامل می پرداختم شخص خود را از آن تمثال باز نمی شناختم۔''

یعنی اس نے میری تصویر کھینچی اور ایسی کہ آئینہ اس کے مقابل میں عکس معلوم ہونے لگا اور میں بھی اپنی ذات میں اور اس تصویر میں کوئی فرق محسوس نہ کر سکا۔

سیر او در امتیاز نوع واصل
آشنا را داشت مستغنی ز وصل
تا شود بیگانہ ہم محرم نشاں
''بیدلؔم'' می گفت بے کام و زباں

یعنی اس تصویر کی بدولت احباب ملاقات سے مستغنی ہوتے تھے اور وہ بیگانوں کے سامنے بول اٹھتی تھی کہ ''میں بیدل ہوں'' اس کے بعد کہتے ہیں کہ دس سال تک وہ تصویر باعث حیرت بنی رہی۔ ''تا دہ سال تماشائے آں نگارستاں بے نشاء حیرتے نبود''

پھر ۱۱۰۰ھ میں ''بمقتضائے عجز بشری'' میں عارضۂ تپ میں مبتلا ہو گیا اور سات مہینے صاحب فراش رہا۔ صحت کی امید نہ رہی تھی۔

''امید بہی از باغ تصور دامن چیدہ بود و خیال سر برداشتن از ریشہ طبیعت دست کشیدہ۔''

بودم گردے فسردہ یاس مآل
پرواز باد رفتہ و ریختہ بال
چوں عکس نمود داشتم لیک بوہم
چوں صبح نفس می زدم امّا بخیال

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں ایک دن کسی دوست نے ایک کتاب مطالعے کے لیے کھولی اتفاق سے وہ تصویر اسی کتاب کے اندر رکھی ہوئی تھی۔ تصویر کو دیکھتے ہی چلا اٹھا کہ یہ تصویر تو بالکل تباہ ہو گئی۔ رنگ و روغن کچھ باقی نہ رہا۔

''می گفت آہ بریں نقش غریب چشم زخمے رسید وایں بہار تماشا پامال شکست رنگ گردید۔''

یقیناً کسی نادان بچے نے بھیگا ہوا ہاتھ تصویر پر پھیر دیا ہے کہ رنگ بالکل خراب ہو گیا۔ سب حاضرین یہ حال دیکھ کر افسوس کرنے لگے۔ میں نے بھی اس کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا رنگ کبھی تھا ہی نہیں کہ شکستِ رنگ کی تہمت لگائی جائے۔ اور کوئی نقش نظر نہ آتا تھا جس کو گردِ سراب سمجھا جائے..... ''رنگے درمیاں نبود تا بر شکست تہمت تواں گماشت و نقشے در نظر نمی آمد تا گرد سرابش باید انگاشت۔''

کہتے ہیں کہ اس حالتِ مرض میں مجھ میں اتنا دم بھی نہ تھا کہ تصویر کے ضائع ہونے پر اظہار افسوس کر سکوں۔ تصویر ہاتھ سے رکھ دی اور عالم تنزیہہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب ایک عرصے کے بعد مرض سے صحت ہو گئی تو ایک روز اس تصویر کا خیال آ گیا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ اسی کتاب میں رکھی ہوئی ہے۔ میں نے کتاب منگوائی اور ورق گردانی کرنے لگا کہ دیکھوں کہ آخر تصویر

کے خراب ہونے کا کیا سبب ہے۔

''تا دریابم کہ خموشی پردۂ سازش (تصویر) بعلت بے اصول چہ آہنگ ست و شکستِ مینائے رنگش از جنون بے اعتدالی کدام سنگ۔''

کہ یکا یک جیسے خانہ تاریک میں دامن کے نیچے سے چراغ نکل آئے یا روشن انگیٹھی پر سے سرپوش اٹھ جائے۔ وہ تصویر ہزار لمعۂ برق جمال کے ساتھ نظر کے سامنے آ گئی۔ گویا اس کا کچھ بگڑا ہی نہ تھا اور گویا بیدلؔ بے زبان خود بول اٹھنے کو ہے۔

''گویا بیدل بے زباں گرم آہنگ شعلۂ نوائے تکلم است و بہار رفتہ و تجدید چہرہ کشائے صبح تبسم۔''

اس طرح کہ عالم وجود میں بھی بیدلؔ یہ رنگ نہ رکھتا تھا اور خامۂ نقاش بھی ایسی لطافت کے ساتھ نہ کھینچ سکا تھا دیکھنے والے متحیر اور دم بخود رہ گئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ یعنی بگڑی ہوئی تصویر کیونکر خود بخود اصل حالت پر آ گئی۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے حواس باختہ ہو گئے اور مجھ پر بھی سکتہ چھا گیا۔ لکھتے ہیں:۔

''فقیر را پیش از ہمہ ساغر ایں نیرنگ از ہوش بردہ بود۔ و بر دماغ ایاغ سکتہ بیخودی قدم افشردہ۔''

پھر کہتے ہیں:

چوں با فاقہ آمدیم طاقت تکرار تامل نداشتم جنوں بے اختیاری اجزاے صفحہ را بچاک گریباں رسانیدہ و اضطراب بے حوصلگی ہم چناں بخاک مدفون گردانیدہ۔''

یعنی جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو مجھے اس تصویر کو دوبارہ دیکھنے کی طاقت نہ تھی۔ میں نے اس کو جنون بے اختیاری میں گریباں کی طرح چاک کر کے خاک میں دفن کر دیا۔

مسٹر آصف علی بیرسٹر (ہز ایکسیلنسی گورنر صوبہ اڑیسہ) نے بیدلؔ کے متعلق ایک مضمون میں اس تصویر کا تذکرہ کر کے افسوس کیا تھا کہ

''.....خوف ہے کہ یہ مرقع اب نایاب ہے اور اگر ایسا ہے تو کتنا غضب ہے۔''

انھوں نے شاید اس پورے واقعہ کو نہیں پڑھا تھا۔ بیدلؔ نے اس مرقع کو خود ناپید کر دیا تھا۔ اس واقعہ تصویر کو بیان کر کے مرزا بیدلؔ ایک طویل تقریر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نیرنگ کو منجملۂ ''غرائب قدرت ہائے جہاں بے چومی۔'' سمجھو کہ فہم انسانی کسی فکر و تامل کے ساتھ اس کی حقیقت کے معمے کو حل نہیں کر سکتی اور بجز عالم الغیب کے کوئی شخص اس کی کیفیت کے آئینہ اسرار کو جلا نہیں دے سکتا۔ پس انسان مجبور و معذور ہے اور اس طرح کے واقعات کا مشاہدہ کر کے اس کو اپنے ''عجز احوال'' اور ''مراتب بے اختیاری'' کا اندازہ کر لینا چاہیے۔

اے آں کہ بہ ہیچ عالمے بارِ تو نیست
جز تہمتِ وہم گرد آثار تو نیست
بر خیز بکار خویش مژگاں وا کن
ہر چند کشادہ مژہ ہم کار تو نیست

اس رباعی کے دوسرے شعر میں بھی خوب بات کہی ہے کہ آنکھیں کھولو، دیکھو اور اپنے فرائضِ حیات کے انجام دینے میں مصروف رہو۔ اگرچہ آنکھ کھولنا بھی تمہارا کام اور تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسرے کے اختیار میں ہے۔ یعنی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ عمل کی توفیق وہی کارساز حقیقی دیتا ہے۔ لیکن تم اپنی طرف سے عمل میں کوتاہی نہ کرو۔ اصل میں یہی مومن کا ایمان ہے اور یہی ایمان کا خلاصہ ہے، یہی اسلام کا منشا ہے اور یہی تخلیق انسان کا مدعا۔ یہ اعتقاد کہ تم پلک اٹھاتے ہو تو اسی قادر مطلق کی دی ہوئی قدرت سے اٹھاتے ہو، تم کو ہر وقت ہر کام میں اس کی یاد دلاتا رہے گا۔ اور تم اس کی قیومی کارسازی اور کریمی کی یاد سے ہمیشہ ہر لحظہ قوت عمل اور ہمت سعی بڑھتی رہے گی۔

غرض اس رباعی کے بعد بیدلؔ کہتے ہیں کہ کائنات میں درجات استعداد اور مراتب نقص و کمال مختلف ہیں۔ نباتات میں درخت کی شاخیں تراش دینے سے نشو و نما کا سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ پھر شاخیں نکل آتی ہیں لیکن حیوانات میں اعضاء کو قطع کرنے سے دوبارہ وہ عضو پیدا نہیں ہوتے۔ پس اس تصویر کی حقیقت کو بھی بیدلؔ کے خواص طینیت سے تصور کرو اگرچہ خود بیدلؔ

شخص تصویر کی طرح۔ ''معذور جوہر آگاہی۔'' ہے جس طرح نور بینائی مردمک چشم کا پرتو ہے۔ لیکن مردمک اس کی حقیقت سے بے خبر ہے۔

.....

[فائدہ: مولانا قادری نے یہ تشریحات یہیں پر ختم کر دی تھیں۔ اس سے اگلے صفحے پر نظم بیدلؔ کے عنوان سے مزید مضمون شروع کیا تھا۔ مگر اس کی صرف چند سطور ہی لکھی جا سکیں۔ نہیں معلوم کس سبب سے یہ حصہ نامکمل رہ گیا۔

وہ سطور تبرکاً درج کی جاتی ہیں۔ وہو ہذا]

# نظم بیدل

مرزا بیدلؔ کی وفات ۳ رصفر ۱۱۳۳ھ (دسمبر ۱۷۲۰ء) کو ہوئی۔ سال ولادت کا صحیح علم نہیں۔

بیدلؔ نے اپنی تصانیف نثر خصوصاً چہار عنصر میں اپنے جو واقعات و حالات لکھے ہیں ان میں کہیں کہیں سالِ واقعہ بھی لکھ دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں ولادت ہوئی ہوگی۔ بیدلؔ نے شاہجہاں کی بیماری کے زمانے میں شجاع اور عالم گیر کی جنگ میں اپنی شرکت اور پریشان حالی کا بیان کیا ہے۔ شاہجہاں کی تخت نشینی ۱۶۲۸ء اور بیماری ۱۶۵۷ء میں ہوئی اس وقت بیدلؔ جوان ہوں گے کہ لشکر کے ساتھ گردش میں رہے۔ اس حساب سے نوے سال کے قریب عمر پائی اور شاہجہاں، عالمگیر، بہادر شاہ، جہاں دار شاہ، فرخ سیر اور محمد شاہ پانچ چھے بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔

[فائدہ: مولانا قادری صاحب نے نظم بیدلؔ کے عنوان سے صرف یہی سطور لکھیں۔ لیکن ان کا ارادہ مفصل لکھنے کا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے بیدل کے متقدمین شعراء اور کچھ معاصرین کے نام اور تاریخ ولادت الگ کاغذ کے پرزوں پر لکھی تھی۔ وہ یادداشت بھی محض ان کے تبرک کے طور پر درج کی جاتی ہے۔

## مقدمینِ بیدل

| نام | وفات ہجری |
|---|---|
| شفائی اصفہانی | ۱۰۳۷ |
| طالب آملی | ۱۰۳۶ |
| ملا مرشد یزدجردی | ۱۰۳۰ |

| | |
|---|---|
| ظہوری ترشیزی | ۱۰۲۵ |
| ملک قُمّی | ۱۰۲۵ |
| نظیری نیشاپوری | ۱۰۲۳ |
| ابوطالب کلیم | ۱۰۶۱ |
| مرزا صائب | ۱۰۸۰ |
| طاہر غنی کشمیری | ۱۰۷۹ |
| معزالدین فطرت مشہدی | ۱۱۰۱ |
| مرزا عبدالغنی قبول کشمیری | ۱۱۳۹ |
| مرزا عبدالقادر بیدل | ۱۱۳۳ |


.....

# خاکہ برائے مقالہ پی۔ایچ۔ڈی

۱۹۴۷ میں جب راقم الحروف بدنام کنندہ نیکو نامے چند۔ خالد حسن نے فارسی ادبیات میں آگرہ یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ کیا تو اس کے بعد مزید حصول تعلیم کے لیے پی ایچ ڈی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کے واسطے جناب والد صاحب قبلہ نے مرزا بیدلؔ حیات و شاعری عنوان تجویز کیا۔

اس زمانے میں فارسی پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی انگریزی میں لکھا جاتا تھا اور synopsis بھی پہلے تیار کر کے درخواست کے ساتھ منظوری کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

میری حیثیت تو نو واردانِ تازہ ہوائے بساطِ دل سے زیادہ نہ تھی ۔ معلومات درسی اور صلاحیت کتابی اس لیے میں خود تو بیدل پر synopsis تیار کرنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ اس وقت تک بیدلؔ کا ایک شعر بھی یاد نہ تھا کیونکہ درسی کتابوں میں شامل نہ تھا۔ حضرت والد صاحب قبلہ نے مکمل synopsis تیار کیا جو میں نے اپنی درخواست کے ساتھ یونیورسٹی میں داخل کیا۔

یہ تحریر آج بھی میرے لیے نہایت اہم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قادری کی نظر فارسی ادبیات تاریخ اور شاعری پر کس درجہ عمیق تھی۔ اور ان کا علم کتنا قاموسی تھا۔

بطور یادگار اس تحریر کو بھی شامل کیا جاتا ہے کہ نام نیکو رفتگاں ضائع مکن۔

آخر میں یہ اظہار شاید بے جا نہ ہو کہ مجھے یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے داخلہ تو مل گیا مگر میں ۱۹۴۸ء میں آگرہ فورٹ کے ریلوے اسٹیشن سے چھوٹی لائن کی ٹرین میں بیٹھ کر بریلی، اجمیر شریف، حیدر آباد، سندھ، کوٹری، کراچی پہنچ گیا اور وہاں انقلاباتِ زمانہ کا مدتوں شکار رہا۔

پھر کوچۂ درس وتدریس ہی چھوٹ گیا۔ نشریات کی لغویات میں گھرا رہا یہاں تک کہ بی بی سی کی نشریات سے متعلق ہو گیا اور کہیں ۱۹۶۶ء میں دوبارہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو سکا۔ مگر پھر بیدل پر کچھ کام نہ کر سکا۔ اور حسرت موہانی کی حیات وشاعری پر پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔ یہ تو فضول داستان سرائی تھی۔ بعض ابواب اس داستان کے بھی چھوڑ دیے ہیں۔ تو وہ معرکۃ الآرا synopsis درج ذیل ہے:

# مضمون ومکتوب کے اقتباس

## ۲۰۰۴ء

پچھلے صفحات میں بیرسٹر آصف علی صاحب کے ایک مضمون کا حوالہ مولانا صاحب کی تحریر میں آیا ہے۔ یہ نایاب مضمون ہم یادگار کے طور پر درج کرتے ہیں۔

۱۹۵۰ء میں ڈھاکہ سے نظیر صدیقی نے مولانا صاحب کی خدمت میں چند خطوط لکھے تھے جو خطوط قادری کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک خط سے بیدل کی شاعری کے متعلق مولانا کی تحریر کا اقتباس پیش کیا گیا ہے۔ خ ح ق۔

دیکھئے بات کو اس طرز سے کہنا بھی شاعر کی نازک خیالی ہے اور اس طرح کہنے سے مضمون میں نزاکت اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے مگر مجھے یہ نازک خیالی زیادہ پسند ہے جو غالبؔ کے شعر میں ہے ۔

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

نظر کا نقاب بنے کوئی نئی اور عجیب بات نہ تھی لیکن یہاں نقاب بنانے میں بڑی نازک خیالی ہے۔ گویا نقاب بنا اور بنا ہوا موجود ہے۔ یعنی جو نگاہ رخ پر پڑی مست ہو کر وہیں بکھر گئی۔ ایک دو دس بیس نگاہوں نے بکھر کر نقاب کی جالی بنا دی۔ اس سے نازک تر دیکھئے ۔

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

محبوب کی شرم اک ادائے ناز ہے۔ تو پھر ہر حالت میں ہے، دوسرے سے ہو یا پھر اپنے سے ادائے ناز تو ادائے ناز ہی رہے گی۔ لہذا جو شرم کی وجہ سے حجاب میں ہیں تو گویا اپنے کو ادائے ناز دکھا رہے ہیں اور ادائے ناز دکھانا بے حجابی کی بات ہے۔ اس لیے وہ حجاب میں بھی بے حجاب ہیں۔ اس کو سوچئے گا۔ ذرا مشکل سے ذہن میں آئے گا۔ بڑی نازک اور بالکل خیالی بات ہے۔

بیدلؔ کی نازک خیالی دیکھئے ۔

دریں گلشن چو گل یک پر زدن رخصت نمی باشد
مگر از رنگ یابی نسخۂ بال افشانی مارا

اس گلشن (باغ عالم) میں گل کی طرح ایک بار پر مارنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔ بس رنگ اڑنے کو ہماری بال افشانی کا ایک نسخہ سمجھ لو۔ یہاں ہمارا رنگ اڑتا ہے، بس اسی کو ہماری پر افشانی کہہ لو۔ جس طرح کسی عبارت میں ایک لفظ دوسرے لفظ کا نسخہ کہلاتا ہے۔ یعنی اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح ''رنگ اڑنا'' گویا ''پر مارنے'' کا ایک نسخہ ہے۔ رنگ اڑنے کو بال افشانی

قرار دینا کس قدر نازک ہے۔ دونوں کیفیتوں کا تصور کیجئے۔ محسوس چیز کو غیر محسوس سے تشبیہ دی ہے اور پہلے مصرع کی خوبصورتی کو بھی دیکھئے۔ گل کی شگفتگی، پتوں کے کھلنے کو ''پرزدن'' کہا ہے ۔گل کھلتے ہی مرجھانے لگتا ہے۔ کہتے ہیں کہ گل کو تو ''یک پرزدن'' کی رخصت بھی ہے ہم کو اتنی بھی نہیں.....اسی غزل کا دوسرا شعر ہے ۔

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا تشنگی رنگِ تماشا را

(حیرت کے شیش محل میں بڑی نزاکتیں ہیں، نہایت نازک واقع ہوا ہے پلک نہ جھپکنا، کہیں رنگ تماشا ختم نہ ہو جائے)۔ آسان شعر ہے۔ آنکھ کھولنے سے حیرت ختم ہو جاتی ہے گویا پلک مارنے سے ہی یہ شیش محل ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی غزل کا اور شعر لیجئے ۔

نمی سازد متاع ہوش با یوسف خریداراں
بود نقدِ ز خود رفتن نگاہِ جلوہ سودا را

(یوسف کے خریداروں کو متاعِ ہوش کام نہیں دیتی۔ ان عشاق کی نگاہِ جلوہ طلب کے پاس نقد بیخودی ہونا چاہیے۔) یوسف کی مشتاق دیدار زنانِ مصر ہوش کھو بیٹھی تھیں، کہتے ہیں کہ یہاں متاع ہوش کا کام نہیں نگاہ جلوہ سودا (مشتاق جلوہ، خریدار جلوہ) کو نقدِ زخود رفتن (نقد بیخودی) پیش کرنا چاہیے۔

اسی غزل میں اور دیکھئے ۔

دلِ آسودۂ ما شورِ امکاں در نفس دارد
گہر دز دیدہ است ایں جاں عنانِ موج دریا را

(ہمارا دل آسودہ (مطمئن دل) شور کائنات کو اپنے اندر لئے اور چھپائے ہوئے جیسے گہر موج دریا کی عنان کھینچے ہوئے ہے) گوہر کی حالت و کیفیت کو کس نزاکت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ گوہر کو یوں سمجھو کہ اس کے اندر موج دریا کی عنان کھنچی ہوئی ہے۔ روک لی گئی ہے۔ رفتار و روانی بند ہو گئی اور گوہر بن گیا۔ گویا گوہر کے اندر موج و طوفان سب ہے مگر ضبط و سکون

میں ہے۔ یہی کیفیت ہمارے دل آسودہ کی ہے اس کے اندر بھی شور وامان ہے مگر بند ہے۔

آپ کی یہ شرط مشکل ہے کہ بیدل کی شرح بھی کرتا جاؤں۔ میں مسلسل چالیس سال سے یہی کام کر رہا ہوں (ستمبر ۱۹۵۱ء میں میری تعلیمی ملازمت کو پورے ۴۱ سال ہو گئے اور یہ مدت تقریباً غیر منقطع ہے) لیکن لکھ کر نہیں کیا۔ زبانی پڑھایا اور سمجھایا۔ ہر شعر کی شرح کرنے میں آپ کا طول امل ہے اور میرا طول عمل۔

بیدل کے چند اور شعر بغیر شرح کے لکھتا ہوں۔

بہشتِ عافیت رنگ جہانِ آرزو یابی — در آغوشِ نفس گریشکنی عرض تمنا را

ایک ترکیب گویا ایک لفظ

تدبیر و گرمواں زداغ کلفت آسودن — مگر آبے زند خاکسترِ ما آتشِ مارا

بآگاہی چہ امکاں است گردد جمع خودداری — کہ باہر موج محابایدگذشت از خویش در مارا

غبارِ احتیاج آنجا کہ دامانِ طل گیرد — روان است آبرو ہرگہ برفتار آوری پارا

بعوضِ بیخودی ہا گرم کن ہنگامۂ عشرت — کہ می نامیدہ اندا اینجا شکستِ رنگ مینا را

ایک ہی زمانے میں چار وہ اور پانچ یہ اور چار پانچ اور بھی، ایک سے ایک نازک خیال ہے اور لیجئے۔

صبحِ نفس متاعِ ندایتم — ناچیدہ رفتہ است بغارت دکانِ ما

ایک ترکیب

نالہ ہا در شکنِ دامِ خموشی داریم — خفتہ پرواز در آغوش شکستِ پرِ ما

بسکہ جاں سختیِ ما آئنۂ خجلت ماست — ہرکہ شد آب زدردِ تو گذشت از سرِ ما

ہمہ جاست شوقِ طرب کمیں، زدواغِ غنچہ گل آفریں — تو اگر زخود روی ایں چنیں، بتو از تو خوب ترے اسد

چو گل آنکہ نسخۂ صد چمن زکتاب جلوہ کشودہ، تو — چو مے آنکہ عشرتِ عالمے زگداز خود طلبیدہ، من

تو لا صد چمن طربِ نمو، من و شنجے نگہ آبرو — یہ بہار عالم رنگ و بو، ہمہ جلوہ تو، ہمہ دیدہ مَی

زہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا (غالب)

اب آپ اور شادانی صاحب یہ بحثیں کرتے رہیے کہ ان نازک خیالوں کا نتیجہ کیا ہے، فرضی باتیں ہیں، ہوائی محل ہیں۔ میں تمام شاعری اسی کو نہیں سمجھتا لیکن اعلیٰ نازک، لطیف شاعری ضرور سمجھتا ہوں۔

بہر حال نازک خیالی اسی طرز میں منحصر نہیں ہے بالکل سادہ جذباتی اشعار میں بھی نزاکت اور لطافت ہوتی ہے اور ان خیال آرائیوں سے زیادہ لطف اور پر اثر ہوتی ہے۔ لیکن نازک خیالی کی تعریف متعین کرنا مشکل ہے جیسے خود شعر و شاعری کی تعریف آج تک نہ ہو سکی۔ دیکھئے آپ نے مومن کا وہ شعر ناپسند کیا تھا۔

کرۂ خاک ہے گردش میں تپش سے میری
میں وہ مجنوں ہوں کہ زندان میں بھی آزاد رہا

اور میں نے بھی آپ کی ناپسندیدگی پر صاد کیا تھا لیکن بعض لوگ اسی کو نازک خیالی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مومنؔ کا یہ شعر ہے ۔

اس جوش تپش پر ہوئی مشکل سے رسائی
صد شکر گزر غیر کا تا بام نہ ہوگا

اس میں مومنؔ کا پیچ و خم بھی ہے، لیکن نہایت لغو مضمون اور تخیل ہے۔ ممکن ہے بعض اس پر سر دھنتے ہوں تو یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے۔ خود بیدلؔ اور غالبؔ نے جن کو میں نازک خیال کہتا ہوں، لغویات بھی فرمائی ہیں۔

# کلامِ بیدل

# پر

# ایک اڑتی ہوئی نظر

(از مسٹر آصف علی ، بیرسٹر ایٹ لا و ممبر سینٹرل لیجسلیٹو اسمبلی)

## شخصیت:

حضرت مرزا عبدالقادر بیدلؔ نے غالباً نوے برس سے زیادہ عمر پائی اور غالباً شاہجہاں سے لے کر شاہ عالم اول تک کا زمانہ دیکھا، شمالی ہند مین دور دور سیاحت کی، علماء وصوفیاء درویشان گلیم پوش، شعراء اور حکماء ہندی کی صحبتوں میں بیٹھے۔ رئیسوں، امیروں اور وزراء تک سے آزاد منشانہ تعلق رکھا، اور جب انتقال فرمایا تو ولی شمار ہوئے اور ان کے مزار پر سالانہ عرس ہونے لگا۔ اس موقع پر دلی کے عقیدت مند ان کے عرس میں شریک ہوتے تھے اور دور دور سے بھی معتقدین حاضر ہوتے تھے۔ شعراء اپنا بہترین کلام نذر کرتے تھے اور القاو الہام کے لیے ان کی روح مبارک سے امیدِ دعا رکھتے تھے۔

بیدلؔ نے نثر و نظم کا ایک معقول ذخیرہ چھوڑا ہے۔ نکات بیدلؔ، رقعات بیدلؔ، دیوان، اور چہار عنصر مطبوعہ ہیں، اور ان کے علاوہ نہ معلوم کتنا ذخیرہ اور ہوگا جو دستبرد زمانہ نے ناپید کر دیا، گو مثنوی طور معرفت اور گل زرد کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ کل نثر و نظم فارسی میں ہے۔ نثر عموماً مقفیٰ و مسجع اور رنگین ہے، اور نظم مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا سرچشمہ ہے۔

ایک موقع پر ۱۱۰۰ھ کے قریب ایک صناع انوپ چتر نامی نے ان کا ایک مرقع بھی بنایا تھا، جس کا عنصر چہارم میں انھوں نے خود ذکر کیا ہے۔ خدا جانے وہ مرقع کیا ہوا اور اب کہیں ہے بھی یا نہیں۔ اس نقاش کی بہت کچھ تعریف کرتے ہیں اور مانی و بہزاد

سے اسے نسبت دے کر خود اپنے مرقع کو دیکھنے کے بعد ان الفاظ میں کیفیت ادا کرتے ہیں۔

.....کہ صورت ایں عجز سرشت ناچار بر صفحہ اثر نقش بست۔ کیفیتے منظور تماشا گر دید کہ تحقیق در برابرش شبہ می پیمود، و آئینہ در مقابلش عکس می نمود۔ بہ تفتیش تفاوت امتحانے شعور ہر چند تامل می پرداختم شخص خود را از اں تمثال باز نمی شناختم۔

خوف ہے یہ کہ یہ مرقع اب نایاب ہے اور اگر ایسا ہے تو کتنا غضب ہے۔ ان کے حالات جتنے ان کی نثر میں موجود ہیں اگر ان ہی کو ایک جا جمع کر دیا جائے تو ایک مکمل سیرت مرتب ہو سکتی ہے۔

## نقد و نظر کی معذرت:

ان کی نثر و نظم کے نقد و نظر کے لیے تو وہ نظر درکار ہے جس سے میں عاری ہوں، مگر محدود فرصت کے پیش نظر وقتاً فوقتاً جو اشعار نگاہ سے گزرے اور دل میں چبھے پیش کرتا ہوں۔ ہر استاد کے کلام میں بہتر چھوڑ بہتر سو نشتر موجود ہیں، مگر ہر نظر اپنے لیے جدا جدا انتخاب کرتی ہے۔ اس لحاظ سے میرا انتخاب ظاہر ہے کہ میری طبیعت کی مناسبت سے ہی ہوگا۔ گو یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اس شخص کے لیے جو ان کے ہر شعر کو مغز سخن تصور کرتا ہو، انتخاب بڑا دشوار ہے۔ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس بحر دخار میں سے چند موتی یہاں پیش کر دیے گئے ہیں، باقی تو غوّاصان ذوق پر منحصر ہے، وہ جتنے چاہیں انبار لگا دیں۔

## بیدلؔ کا فکر بلند:

بیدلؔ کی نثر سے زیادہ نظم، عبارت آرائی سے زیادہ شعر اور شعر سے بڑھ کر فکر حقیقت و معانی کا رازدار ہے۔ بحور جدید، ترنم الفاظ، اور رقص صوت، نیز نئی ترکیبوں اور استعاروں کے وہ استاد کامل ہیں۔ کونین اور مابعد الکونین کا ایک مکمل نقشہ ان کے دل کے آئینہ میں

جمال آرا ہے، زندگی کے پیچ در پیچ راہوں سے گزر چکے ہیں۔ کائنات عالم کے ہر نقاب کو اُٹھا کر جمال مطلق کا نظارہ کر چکے ہیں۔ اعیان وصور کے پردے اٹھا چکے ہیں، اور حیات و ممات، عدم و وجود، شہود وغیب، خالق ومخلوق کے ناپیدا کنار بحور سے بصیرت کے سفینہ کو صاف نکال کر لے گئے ہیں اور بالآخر سکون قلب کے خود بیں گرداب میں پہنچ کر جو کچھ کہتے ہیں علم الیقین سے کہتے ہیں۔ سرحد ادراک سے جو کچھ پرے نظر آتا ہے اسے اضافی عالم کبریٰ کا سرمایہ گردانتے ہیں۔

اس مقام پر پہنچ کر آفرینش وجود کی توجیہہ جو عنقائے ادراک ہے ان کے دام تفکر سے نہیں بچتی اور کس خوبی سے عطا کرتے ہیں۔

## آفرینش وجود:

چوں عدم ہستی خود اندیشید شبہ جمع آمد ودلش نامید
دل در شبہ میکشاید و بس آئینہ عکس می نماید بد و بس

مشرق ومغرب کے مفکرین، حکماء اور فلاسفہ نے ایک طرف اور خرد وعقل کے رقیب عشق حقیقی کے نقشبندوں نے دوسری طرف عدم ووجود کی حقیقت اور عالم کون وفساد کی توجیہہ پر صدیوں غور وخوض کیا ہے مگر حافظ تو یہ کہہ کر در میخانہ کھول دیتے ہیں۔

حدیث از مطرب و مے گو دراز دہر کمتر جو کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمہ را

مگر ویدانتیوں نے ''ہمہ اوست'' اور صوفیائے مشرق ومغرب نے بھی ''ہمہ اوست'' تک تو رسائی پالی، رہی آفرینش وجود، تو اس کا حال نہ کسی پر کھلنا تھا اور نہ کھلا۔ یہاں آکر ہر ایک ساکت وصامت ہے۔ اگر عدم تھا تو کیوں تھا اور وجود پیدا ہوا تو کہاں سے اور کیوں کر ہوا۔ عالم مکان وزماں، اعیان وصور اگر خالق مطلق کی ذات سے صفت کی نسبت رکھتا ہے، تو خود ذات کا وجود کہاں سے، کیوں اور کب آیا، اس قسم کے مسائل ہیں جو غور وفکر کرنے والے دماغوں میں آتے ہیں۔ جواب ملے یا نہ ملے، اور ظاہر ہے تسکین بخش جواب ملنا

ناممکن ہے۔ بے حقیقت انسان کا کرشمۂ مقدار دل ازل اور ابد اور ذات لامتناہی کے مسائل کو کس طرح حل کر سکتا ہے۔ مگر شاعروں کے دل و دماغ عام دل و دماغ کی بستیوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ انھیں وہ کچھ نظر آتا ہے اور ان کا ادراک ان مقامات تک پرواز کرتا ہے جو عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ مفکروں نے قدم و حدوث کا مسئلہ پیدا کیا۔ ذات باری تعالیٰ کو قدیم اور غیر حادث مانا اور کائنات کو حادث۔ مگر جن سوالات کے یہ جواب ہیں وہ پھر بھی تشنہ رہ جاتے ہیں۔ حقیقی شاعر وہ نہیں جس کی طبیعت صرف اتنی موزوں ہے کہ وہ صرف ترنم الفاظ اور رقص صوت کے مقفیٰ و موزوں نقشے تیار کر سکے۔ ایسے شعراء سے تو دنیا بھری پڑی ہے، اور ہمیشہ رہے گی۔ ان کا کلام بھی تفریح اور تفنن طبع کا باعث ہوتا ہے اور ان پر بھی درجے اور مرتبے ہیں۔ مگر حقیقی شاعر وہ ہے جس نے کائنات عالم کو اس طرح دیکھا کہ اس کی ایک مکمل تصویر اس کے سامنے ہے اور وہ عالم صغریٰ کے جز لایتجزیٰ سے لے کر عالم کبریٰ کی لامتناہی سرحدوں سے گذر جاتا اور حقیقت مطلق کو بے نقاب دیکھنے لگتا ہے۔ ایسے شاعر کے کلام میں ''حقیقتِ منتظر'' حسن و عشق کے نقابوں میں سے کیف مئے کی طرح، یا اس نور کی طرح جو فانوس زُجاجی سے باہر نظر آنے لگتا ہے۔ خود اپنے ساحل سے تلاطم امواج کی مانند باہر نکل آتے ہیں۔

بہر کیف بیدلؔ اس قسم کے شاعر، عارف، مفکر اور حقیقت بیں ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو وہ شاعروں کے شاعر اور عارفوں کے عارف ہیں۔

جب بیدلؔ نے آفرینش وجود پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہستی، سیلابِ نیستی کا کف، اور وجود، بحرِ عدم کا گرداب ہے۔ ہستی کے ہر دونوں طرف عدم نظر آیا۔

دو سرابوں میں گرد تخیل، دو خوابوں کے بیچ میں ایک بیداری اور بالآخر عدم کے دل میں ایک شبہ نظر آیا چنانچہ یہ سراغ لگا لینے کے بعد انھوں نے آفرینشِ وجود کی وہ توجیہ کی جو اوپر قلم بند کی گئی۔

کتنی نازک بات کہی ہے کہ جب عدم نے اپنی ہستی پر غور کیا تو شبہ پیدا ہوا اور اس کا نام دل

رکھ دیا اب دل کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شبہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور یہ دل بیچارہ جو آئینہ ہے صرف عکس دکھا دیتا ہے اور بس۔ اس کوزے میں فکر کے بحور در بحور بند کر دیے ہیں اور کائنات کے وجود کا وہ نقشہ پیش کیا ہے جسے عالمِ امثال کا بہترین مرقع گردانا جا سکتا ہے۔ فلسفہ و حکمت، فکر اور خیال اس سے آگے اور کہاں جائیں گے۔

جب خود عدم کے دل میں شبہ کے پھول کھلنے لگے تو ظاہر ہے کہ چمن وجود نے جنم لے لیا۔ باقی وہاں دھرا کیا ہے۔ محض ایک بے صوت و صدا آئینہ جس میں عدم کا عارضی عکس آ جاتا ہے۔ وجود و شہود مستعار عکس ہیں جن کا منبع جمال عدم و غیب ہے۔

پھر اسی حقیقت کو ایک اور لطیف پیرائے میں ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

موج اقبال تو در گرد عدم پر می زند　　قلزمی اما بروں از خود تلاطم کردہٗ

سبحان اللہ! اس نازک خیالی کا کیا جواب ممکن ہے۔

## ہستی بشر:

یہاں پہنچ کر جو اپنی طرف نظر ڈالی تو ایک اور کیفیت دکھائی دی۔ یعنی ہوں بھی اور یہ ہونا نہ ہونے کے برابر ہے پھر آخر ہے کیا؟ وہی شبہ؟ مگر آخر ہوں کہاں؟

نہ خاک آشنانم نہ چرخ آشیانم　　پرے میفشانم کجایستم من؟
اگر فانیم چیست ایں شور ہستی ؟　　اگر باقیم از چہ فانیستم من؟

سخت حیرانی اور پریشانی کا مقام تھا۔ اقبال بھی اس مقام پر پہنچ کر ششدر رہ گئے تھے اور مجبوراً کہہ اٹھتے تھے۔

"یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ"

مگر بیدلؔ نے جب مزید غور کیا تو کہنا پڑا۔

جہاں کو بسامان ہستی بنازد　　کمالم ہمیں بس کہ من نیستم من

مسئلہ یہاں ختم نہ ہوا تو ایک اور زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالی اور فرمایا۔

بیداری میان دو خوابست ہستیم　　گرد تخیل دوسرایست ہستیم
از لطمۂ دو موج حبابے دمیدہ است　　یعنی طلسم نقش برآب است ہستیم
مغلوب آفتاب چو شد سایۂ سایہ نیست　　اندیشۂ کہ در چہ حساب است ہستیم ؟
روشن نہ شد ز نسخۂ من جز سواد وہم　　مضمون حیرتے چہ کتاب است ہستیم؟
سرمایہ وقف غارت و امید محو یاس　　یارب چہ جنس خانہ خراب است ہستیم

آخر جب یہ سمجھ میں آ گیا کہ یہاں تو صرف شبہ ہی شبہ اور عکس ہی عکس ہے تو دل کی طرف نگاہ گئی کہ اگر آئینہ ہوسکتا ہے تو وہی جس میں یہ عکس ہے۔ ہر چیز جو حواس کے دریچوں سے یا ادراک کے نابدان سے عکس پذیر ہوتی ہے تو دل میں تو گویا کائنات عالم اور قلم روئے خیال دونوں کا راز دار دل ہی ہوا۔ حقیقت گرداگرد موجود ہے اور اس کا عکس دل میں ہے۔ پھر کیا تھا۔ معاملہ صاف تھا۔ فرمایا ؎

اول دلم داد تا بخود نگرم　　من ہم آئینہ در کفش دادم

بھلا اس سے اونچا اور لطیف تر شعر کیا ممکن ہوسکتا ہے۔ انھوں نے تو مجھے خود آپ پر نظر کرنے کے لیے دل عنایت کیا تھا۔ مگر بھلا میں کب چوکنے والا تھا۔ میں نے ان کے ہاتھ میں آئینہ دے دیا کہ میں کیا دیکھوں، آپ اپنا جمال جہاں آرا ملاحظہ فرمالیجیے، یعنی اپنی طرف بھی دل میں دیکھا تو وہی حسن لایزل وہاں بھی عکس پذیر تھا۔ شاید یہی مقام تھا کہ جس نے حلاج کو چکا چوند کر دیا تھا اور وہ بیچارے عکس کو ہی انا الحق کہہ اٹھے تھے۔ مگر ابھی انجمن میں باریابی نہیں ہوئی تھی چنانچہ بیدلؔ نے جب دل سے دریافت کیا کہ ''انجمن کبریا'' کہاں ہے تو جواب ملا۔ ''ہمیں یک قدم بروں غرض۔''

سراغ انجمن کبریا ز دل جستم　　طپید و گفت ''ہمیں یک قدم بروں غرض''

یہ پتہ مل جانے کے بعد تو معاملے کی صورت ہی دوسری ہوگئی۔ جس طرف نگاہ ڈالی وہی وحدت نظر آئی اور ان کی حالت یہ تھی کہ پرکار کے خط کی طرح گرداگرد پھرتے تھے۔

## وحدت کا نقش اول:

چرا خط پر کار وحدت نباشم؟ بگرد دل خویش گردیدہ بودم!

چنانچہ اس وحدت الوجود کے جلوے کی بہار تھی صرف آنکھ اٹھانا شرط تھا۔

بسکہ عالم بہار جلوۂ اوست بر رخ اوست ہر کجاست نگاہ!

اس حالت کو پہنچنے کے بعد اس کے سوا چارہ کیا تھا کہ فرمائیں۔

عالم یکتاست ایں جا معرفت درکار نیست خود سریہا فہم مارا در گماں انداختہ

شمع خلوت گاہ یکتائی بفانوس خیال کردہ مژگاں باز و آتش در جہاں انداختہ

مگر یہ کیفیت پیدا کہاں سے اور کیوں کر ہوئی؟ اس طرح کہ ۔

فکر خویش ست سر انجام دو عالم بیدلؔ ہمہ کردیم اگر سربگریباں کردیم!

اور اس فکر کی بدولت کیا کیا حیرت انگیز نقشے نظر میں آنے لگے۔ کیسے کیسے دقیقہ آفریں، اور نزاکت آگیں خیال کے دام پھیل گئے، کہاں کہاں سے عنقائے حقیقت آ آ کر پھنسنے لگا۔ ذرا اس شعر کو ملاحظہ کیجئے ۔

ہیچ موجے از کنار ایں محیط آگاہ نیست می روم بیروں ز خود تا ساحلے پیدا کنم

اللہ اکبر کیا پرواز خیال ہے، کیا حوصلہ ہے، یعنی اس جرات کو دیکھئے کہ دنیا نے جسے بے کراں بنا رکھا تھا اس کا کنارا پیدا کر دیا اور ظاہر ہے کہ محض یہ خیال کر لینا کہ خود سے باہر نکلا جا سکتا ہے ایک ساحل پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مفکر اور فلسفی پہنچتے ہی ذات لامتناہی کو بھی سرحدوں کا مقید پاتے ہیں۔ ذات کا صفات سے متصف ہونا ہی ایک کیا کروڑہا سرحدیں تیار کر دیتا ہے مگر وہ ان سرحدوں سے بھی آگے نکل گئے۔

''می روم بیروں ز خود تا ساحلے پیدا کنم''

اور اس راہ سے جو چلے تو پھر کیا تھا۔

یک تار مو کہ از سر دنیا گذاشتہ صد کہکشاں بر اوج ثریا گذشتۂ

کیا ٹھکانا ہے! اور یہی نہیں بلکہ

جمعیت اصول ہماں ترک جستجو منزل دمیدۂ اگر از پا گذشتہ

اور اس سلسلے میں شوق کا عالم دوسرا تھا۔ ترک جستجو کیسی۔ وہاں تو شوق کا مکتوب تیار تھا اور نامہ بر کی ضرورت تھی چنانچہ فرمایا ؎

مکتوب شوق ہرگز بے نامہ بر نباشد باید ز خویشتن رفت قاصد اگر نباشد

کیا پاکیزہ شعر ہے۔ سبحان اللہ۔ یہاں عشق معرفت نے حیات اور موت میں ایک نیا رشتہ قائم کر دیا۔ اب چاہے اسے حیات و ممات کا رشتہ سمجھئے یا ہوشیاری اور بیخودی۔ سلوک و جذب یا عقل و عشق کا مگر ''باید ز خویشتن رفت'' میں ایک عالم بس رہا ہے۔

## تحیر کے بعد بے بسی مگر ناز کے ساتھ:

غرض کہ شوق نے راہیں کھول دیں اور اب عالمِ اعیان سے عالم صور کی طرف متوجہ ہوئے۔ دنیا کو دیکھا، دنیا کے کارخانے کو دیکھا اور جدھر نظر پڑی وہ عالم تحیر تھا مگر اس تحیر میں بجز بے بسی اور بے لطفی اور کیا ممکن ہو سکتا تھا۔ آئینہ وار آنکھیں کھلی ہیں مگر بجز حیرت کے اور کچھ سامنے نہیں۔ فرمایا

در تحیر لذت نظارہ نیست دیدۂ آئینہ بیدار است و بس!

اور تعجب سب سے زیادہ یہ کہ حسن لازوال اگر صید ہی کرنے نکلا تھا تو نگاہِ عشق کیا ایک مشت خاک ہی پر گئی؟ یہ تو باعثِ ننگ ہے! عرق عرق ہو گئے اور کہنے لگے کہ شاید یہ نادانستہ کیا گیا مگر کس قدر حیا کا مقام ہے!

مشت خاکم عشق نادانستہ صیدم کردہ است اے حیا آبم بکن، از ننگ صیادم مپرس

چنانچہ حیرت بڑھ گئی کہ ماجرا کیا ہے! حسن کی نمود ہے بھی اور پھر وہ بھی اس طرح کے جیسے شرر کا ایک لمحے کے لیے آنا اور جانا

برق نمودت آمد و رفت شرار داشت روشن نہ شد کہ آمدۂ یا گذشتۂ!

اور یہاں سے اس ''آمدہ یا گذشتہ'' کے مضمون نے جو انفرادی حالت میں شکل اختیار کی تو عالم مجبوری و معذوری سے بے بس ہو کر کہنے لگے۔

کجا خلوت و انجمن دیدہ؟ نو شمعے ، ہمی سوختن دیدہ!

اور اس فنا کے جھونکے سے شمع زیست کے بجھ جانے کی حالت جب سامنے آئی تو کہا۔

مانند شرر دانۂ بے حاصل مارا ناکاشتہ دیدند سزاوار درودن

کیا حسرت ہے۔ کیا بے بسی ہے اور اب کارروانِ زیست کی گھات میں خود منزل سر راہ نظر آنے لگی۔

در کمینِ کارواں خفت است منزل سر براہ بسکہ پیچ و تاب حسرت در نفس خوں کردہ ام

اور اب چارہ ہی کیا تھا یہی کہتے بن پڑی۔

ایں قدر جہدم بذوق نشۂ عجزات پس ہمچو پرواز از شکست بال می خواہم پناہ

## جبر:

بلکہ اس سے بھی جب معاملہ آگے نکل گیا تو فرمایا

گر سلامت خواہی از دست تظلم دم مزن دادرس در عہد ما سنگ است و مینا دادخواہ

دنیا الٹ گئی۔ دنیا میں پتھر مینا کو توڑتا ہے اور اگر خود پتھر ہی دادرسی کرنے لگے تو بے چارے مینا کی دادخواہی معلوم، جبر کی اس سے زیادہ اور کیا صورت ہوگی۔ اب سوائے صبر کے اور کیا چارہ ممکن ہے۔ مگر صبر آسان نہیں۔ ان کے صبر اور..... نے اُن کے شرار کو پتھر بنا دیا۔ یہاں انھوں نے صنعت کی دنیا الٹ دی۔

کسے یارب مباد افسردۂ نیرنگ خودداری! شرارم سنگ شد از کلفت صبر آزمائیہا!

## تسلیم و رضا بر قضا:

صبر کیا مگر رضا بر قضا اور تسلیم اس قدر جلدی کہاں سے پیدا ہو جائے۔ ابھی تو مقام حیرت میں ہزار ہا سوال پیدا ہوں گے، لاکھوں نقاب اٹھیں گے جب کہیں تسکین قلب کی راہ نظر آئے گی۔

پہلے تو فنا کا ہولناک باب سامنے ہے اس سے گذر لیں تو کہیں کچھ نظر آئے؟ عالم یاس میں فرمایا۔

نخل آہے ہمہ تن یاس بہار آمدہ ام　　فرصتے سوختہ بردوش شرار آمدہ ام
بودہ خاشاک من آوارۂ گرداب عدم　　از پئے سوختن اکنوں بکنار آمدہ ام
محرم عہد ازل کیست؟ کند آگاہم　　کہ دریں غمکدہ از بہر چہ کار آمدہ ام؟

پھر غور کیا، ہر پہلو سے سوچا، ابتدا اور انتہا پر نظر ڈالی اور بس اتنا سمجھ میں آیا کہ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

اولت ہیچ و آخرت معدوم!　　وسطِ اندیشہ ہائے نا مفہوم!

اور پھر رہ رہ کے خیال آیا کہ کیا آفت ہے، جلتے بھی ہیں اور ختم نہیں ہوتے، اس سے زیادہ درد ناک اور کیا منظر ہوسکتا ہے جو پروانے پیش کرتے ہیں۔

کس چو پروانہ درد ناک نہ سوخت　　کہ بہ آتش رسید و پاک نسوخت

ایک اور سمت میں نظر گئی تو ایک اور یاس انگیز منظر سامنے تھا، اور کوشش کے ناتمام رہنے کا نقشہ پیش ہوتا تھا۔ اپنی کوشش اور اس کی ناتمامی یاد آئی۔

نوحہ بر پرواز دارد کوشش ما چوں سپند　　کز گداز بال و پر وا میشود منقارِ ما!

یعنی اگر حقیقت یہی ہے کہ کوشش اس دن اور اس وقت کامیاب ہونے کے قریب پہنچے کہ جب سروسامان ختم ہوئے تو بجز نوحہ کے اور کیا رکھا ہے؟

اس کیفیت سے دل نہ ٹوٹے تو کیا ہو اور ٹوٹے ہوئے دل کا حال نہ پوچھئے کہ

از شکست دل گذشتن سہل نیست　　کیں بیاباں نیشتر زار است و بس

اور زندگی بھر کا یہی عالم ہے کہ

زندگانی نیش آزار است و بس　　غنچۂ دل را نفس خار است و بس

کیا کیا تکلیف اٹھائی ہوگی، کیا کیا اذیت پہنچی ہوگی۔ اور فنا ہر ہر قدم پر موجود ہے آنسو کو دیکھا تو اس سے سبق لیا۔

یک قدم راہ است بیدلؔ از تو تا دامانِ خاک　　بر سر مژگاں چو اشک استادہ و ہشیار باش

بلبلہ کی طرف دیکھا تو اس نے کچھ اور ہی سنایا

حباب امروز دست از موج ہستی شستہ میگوید　　کہ "طاق عمر چوں بشکست نتواں کرد تعمیرش"

یہی نہیں بلکہ محرم راز نے بھی کہا۔

مرغے کہ شود محرم پرواز خیالش　　مقراض بریدن شود افشاندن بالش!

اور بار بار حباب پر نظر ڈالی تو یہی دیکھا کہ اس کی اور اپنی حالت یکساں ہے ادھر آنکھ کھلی اور خواب فراموش ہوا۔

چشم پوشیدہ بخود ہمچو حبابم سفریست　　دیدہ گر باز کنم خواب فراموش خودم

اس حالت میں زاری و بکا کے سوا کیا کرے۔ آنسو کے بیج کی طرح آنکھ کے پانی سے ان کی نشو نما ہونے لگی۔

بود نشو نمائے طینت من از گداز دل　　چو تخم اشک نومیدی بآب دیدہ می رویم!

آخر معتکف ہو گئے تو نئے دروازے کھلنے شروع ہوئے اور تسلیم کا مقام شروع ہونے لگا کیونکہ اب یہ تو ظاہر ہو گیا کہ قطرہ ایک دفعہ گوہر ہو جائے تو پھر اس کا سمندر میں مل کر سمندر ہو جانا ممکن نہیں۔

چوں بعزلت خو گرفتی فکر آزادی مکن　　آب گوہر گشتہ نتواند شدن دیگر محیط

مگر غور کیا تو یہ بھی سمجھ میں آیا کہ یہ سب کچھ اپنی کوتاہ ہمتی ہے

ہیچ سنگے در رہ جولان ایں معنی نبود　　کوششِ ما پائے در دامن کشید و لنگ شد

یعنی ابھی تسلیم کا مقام دور ہے۔ شبہ اور شک بار بار دل میں پیدا ہوتا ہے۔ انڈے کی طرف دیکھا تو وہی نقشہ پایا جو بعد میں غالب نے بھی ایک اور لطافت کے ساتھ باندھا ہے۔

بر پر افشانی نہ تنہا بیضہ تنگی میکند　　بال و پر ہم بر ہجوم بیضہ خواہد تنگ شد

حضرت غالبؔ ایک قدم آگے نکل گئے اور کہا

بیضہ آسا تنگ پیراہن ہے یہ کنج قفس　　از سر نو زندگی ہو کر رہا ہو جائے ہے

اور اب طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ ہر طرف راہیں کھلنے لگیں فرماتے ہیں۔

ہستی ما نیست بیدلؔ غیر اظہار عدم　　تا خموشی پردہ بررخ بر فگند آواز بود!

اور یہی نہیں بلکہ

در بحر چو گوہر نتواں چشم کشودن　　امروز کہ گوہر بکنار است بہ بیند

پرواز خیال نے اس سے بھی آگے کا تقاضہ کیا۔

راحت جاوید در ضبط عنان آرزوست　　بال و پر گر جمع گردد آشیانے میشود

یہاں بھی خیال نے پتی دیکھی اور کہا۔

بلند یہا بہ پستی متہم شد از تن آسانی　　براحت گر نہ پرواز دازمیں ہم آسماں دارد

یہاں تک اڑ نکلنے کے بعد جو دیکھا تو بجز پریشانی کے اور کیا رکھا تھا چنانچہ فرمایا۔

دادہ ایم از حاصل اسباب جمیعت بباد　　مرغ مارا جز پریشانی زبال و پرچہ حظ؟

اس پریشانی پر بھی ایک دفعہ دماغ نے کہا واہ، کہاں مشت خاک تھے اور اب صحرا ہو گئے۔ شکر کرو۔ چنانچہ بیچارے ایک دفعہ تو اس فریب میں آ گئے اور فرمانے لگے۔

بیدل از شکر پریشانی چساں آیم بروں　　مشت خاکے بودم، از آشفتگی صحرا شدم

## قناعت تسلیم کا دروازہ:

مگر جب خیال کی پرواز نے بھی حقیقت کے آسمان تک نہ پہنچایا تو قناعت کی طرف جھکے۔

سیر چشمی ذرۂ مہر قناعت بودن است　　پیش مردم اندک و در چشم خود بسیار باش

بایں ہمہ فرصت عمر کی کمی نے پریشان کیا تو پھر بے صبر ہوئے اور کہا۔

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش　　اے ز فرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش

قلمرو امکان کو ڈھونڈنا شروع کیا، کہ شاید وہاں بقائے عیش ہو مگر استغفر اللہ۔

عنقا ست در قلمرو و امکاں بقائے عیش　　کاینجا بہاررا قفس از رنگ و بو کنند

## بے تعلقی:

آخر دل نے راہ دکھانی شروع کی اور بتایا کہ دام تعلق سے بچو تو کہیں کچھ نظر آئے۔ مگر یہ کون سی آسان منزل ہے فرماتے ہیں۔

ببال ہمت از دام تعلق جستہ ام لیکن　　نمی افتد شکست خویشتن چوں موج از دوشم

کتنا لطیف، خوبصورت اور مسکت شعر کہہ دیا ہے۔ موج کی مثال کس درجہ برجستہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں تین ہزار برس پہلے حکیم ہراقلطس پہنچا تھا، یعنی حقیقت ایک سیلاب موج سے زیادہ نہیں جس میں زمان و مکاں دونوں اعیاں وصور کی موج تلاطم خیز میں بہے جارہے ہیں، ہر ایک دام تعلق سے بھاگ نکلنے میں مصروف ہے۔ مگر موج ٹوٹتی ہوئی بھی نظر آئے تو اس کی شکست اس کے کندھوں پر سوار رہتی ہے۔ اس میں علم کائنات اور انفرادی زندگی سب کی سرگذشت آلی۔ مگر یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دل و دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا ہوتی ہے۔

دل چو آزاد　از تعلق شد منور میشود　　قطرہ چوں از موج دامن چید گوہر میشود

اور اس بے تعلقی نے معراج معرفت کی راہ پر ڈال دیا، اور اب جو آگے بڑھے تو اس طور سے کہ

موج ما خشک ازیں بحر پر آشوب گذشت　　ہمچو نظارہ کہ از دیدۂ تر میگذرد

کتنی پیاری مثال دی ہے۔ آنسو بھری آنکھ میں سے بھی نظر صاف اور خشک نکلتی ہے۔ بے تعلقی ہو تو ایسی اور آشوب حوادث سے دامن بچا کر نکلے تو اس طرح۔ مگر یہ کام ہمت کا ہے، چنانچہ اس آزاد ہمتی کا نقشہ بھی ملاحظہ ہو۔

ہمت آزادہ را بیدل رہ و منزل یکیست　　نغمہ را در جادہ ہائے تار می باشد مقام

یہی کیفیت ان کی تھی کہ تار حقیقت کے راستے کھلے پڑے نظر آئے اور انھوں نے دیکھا کہ ان کی روح کا نغمہ ہر تار میں موجود بھی ہے، اور رو بہ پرواز بھی، اب سر جھکایا اور گردن تسلیم خم کی

اور سر بگریباں تسلیم ہونا تھا کہ جلوہ سامنے تھا۔

## تجلی:

مگر جو کچھ نظر آیا اس نے کیا کیفیت پیدا کی، اس کا حال بھی سن لیجئے۔ یہاں چوں و چرا کی گنجائش کہاں تھی۔ یہاں پہنچ کر تو کلیم بیہوش ہو گئے تھے۔ فرماتے ہیں۔

آں بہ کہ برق غیرت بنیاد و ما بسوزد  آئینہ ایم و مارا تاب نظر نباشد

کیا ہی خوب کہا ہے، جس زاویۂ نگاہ سے دیکھئے بیخودی کا تقاضہ ہے، اب یہ حیرت نہیں بلکہ سجدہ معرفت کی تیاری ہے۔ اور جلوہ سے ان کا جو حال ہوا وہ اس سے بھی زیادہ لطیف پیرایہ میں فرما گئے ہیں۔ کہتے ہیں۔

چہ پُرسی ز من لذت جلوۂ بیدلؔ  کہ در بیخودی جلوۂ دیدہ بودم

یہاں حضرت غالب کا ایک شعر یاد آتا ہے کیونکہ وہ جب اس مقام پر پہنچے تو ان کا حال دوسرا تھا۔ انھوں نے کلیم کو بھی خدا جانے کس غار کس مپرسی میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں۔

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر  جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر

سبحان اللہ۔

رفتہ رفتہ اب یہ حالت ہونے لگی کہ جل کر خاکستر ہونے پر بھی زبان حال سے فرماتے رہے

تو شمع بے نیازی ہا بر افروز  مگو خاکستر پروانہ ات کو؟

یہاں سے اب دوسرا عالم شروع ہو جانا لازم تھا۔ اب معرفت کے ساتھ ناسوت کی طرف عود کرنا لازم تھا۔ چنانچہ اب حقیقت کو ہر نقاب کے پیچھے دیکھنا شروع کر دیا اور اب جو جو عالم طاری ہوتے تھے ان کا ہر وقت اور ہر حال میں نقشہ بدلتا رہتا تھا، مگر اب یہ کہہ دینا دشوار نہ تھا۔

بخامشی ست چناں عہد دل کہ گر شکند  صدا ز شیشہ دلہائے ما جدا نشود

اللہ اکبر، شیشۂ دل چور بھی ہو جائے تو صدا نہ نکلے۔ مگر یہ دل بھی کون سا دل ہے۔

مدعا دل بود ، اگر نیرنگ امکاں ریختند　　بہر این یک قطرہ خوں صد رنگ طوفاں ریختند

اب جہاں پہنچ چکے تھے حقیقت صاف نظر آنے لگی تھی۔ نیرنگ امکاں کے نقشے اسی لیے تیار ہوئے تھے کہ ''دل'' پیدا ہو اور اسی ''دل'' کی خاطر جو بظاہر تو ایک قطرۂ خوں ہے، سو سو قسم کے طوفان بکھیرنے پڑے۔ اور ان طوفانوں کی نیرنگیاں بھی ملاحظہ ہوں۔

از گداز پیکرم درد تو گم گرد آشیاں　　شد ستم بر نالہ کاتش در نیستاں ریختند!

خیر اب تو نظارہ ہر وقت روبرو تھا، اور اس سے لطف اندوز ہوتے تھے مگر قیمت بڑی سخت ادا کرنی پڑی تھی۔

شبنم مارا دریں گلشن تماشہ مفت نیست　　صد نگہ شد آب تا یک چشم حیراں ریختند!

کیا ہی خوب کہا ہے۔

اور اس نظارہ کے مضمون کو صد ہا طرح بڑی ندرت اور انتہائی اپج سے باندھا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

مقیدان تو از لذت گرفتاری　　ز چشم خویش چو نظارہ دام بردوشند

اس شعر کو جس گوشہ نگاہ سے دیکھئے ایک تازہ لطف دیتا ہے۔ کائنات عالم تماشا گاہ ہے اور قیدیٔ حیات کی لذت گرفتاری کو دیکھئے کہ نظارہ کی طرح یہ اپنی آنکھ کا جال لیے پڑا پھر رہا ہے۔ تلازمہ بدل کے پھر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

مرا ایں آبرو در عالم پرواز بس باشد　　کہ از ہر چاک در خمیازہ شوقم قفس باشد!

## دہر محسوس و فانی پر ایک نظر:

اب اس دنیائے فانی اور عالمِ محسوس پر کونہ کونہ سے کھڑے ہو کر نظر ڈالنی شروع کرتے ہیں اور جدھر دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ عرصۂ امکاں تک میں رقص بسمل دکھائی دیتا ہے۔ جس طرف دیکھئے یہ بزم اشک فنا کے رقص سے آراستہ ہے، شعر ہے۔

ذرہ تا خورشید بال افشاندن اشک فناست　　عرصۂ امکاں ز رقص بسملے آراستند

اور اسی مضمون کا ایک اور نقشہ پیش کیا ہے۔

بحر لبریز شکست از پیچ و تاب موجہاست　　آب میگردد دراں چشمیکہ مژگاں بشکند

بحر کائنات کیا ہے؟ صرف وہ ذخیرۂ آب ہے جو موجوں کے پیچ و تاب سے بنتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں ''شکست'' سے لبریز ہے۔ یہ وہ آنکھیں ہیں جن میں پلکیں ٹوٹ کر پڑ گئی ہیں اور بے تحاشا ان میں پانی بھرا چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ بحر ذخار بھر گیا۔ خود بینی کی موج نے آنکھیں پیدا کیں۔ حیرت کی پلک ان میں ٹوٹ کر رہ گئی۔ آنکھ اشکبار ہو گئی اور پانی اتنا امنڈا کہ سمندر بن گیا۔ خیال ہے کہ بحر نا پیدا کنار؟ مگر ایک لمحہ ایسا نہیں تھا جو قائم رہے، ہر لمحہ آتا نظر آتا تھا اور اس سے پہلے کہ آپ کہہ سکیں کہ ''آیا'' گذر جاتا تھا۔ فنا ہستی کے حق میں ایسی ہی تھی کہ جیسے ''دل'' کے حق میں ہستی کا زنگار۔

## فنا کا نقشہ:

شعر ملاحظہ ہو۔

عرض ہستی زنگ بر آئینہ دل میشود　　تا نفس خط میشود، ایں صفحہ باطل میشود

کبھی آئینے کے آگے جاڑے میں سانس لے کر دیکھئے ابھی ایک باہر کا سانس ختم نہیں ہونے پاتا کہ وہ بھاپ جو آئینہ کو دھندلا کر دیتی ہے غائب ہونے لگتی ہے۔ غالباً ان کے پیش نظر یہی نقشہ تھا دل تو آئینہ ہے جس میں سب کچھ نظر آتا ہے مگر اس کا زنگار کیا ہے؟ ہستی! نفس ضبط ہونے نہیں پاتا کہ ہستی ختم۔ اور ایک اور گوشہ سے کھڑے ہو کر ذرہ دیکھئے کہ جوں جوں بخیہ گر آگے بڑھتا جاتا ہے، تاگہ سوئی میں چھوٹا پڑتا جاتا ہے۔ اور یہی کیفیت چاک عدم کے رفو گر کی ہے کہ تار نفس آخر سوئی کے ناکہ تک آجاتا ہے۔ اور یہی حال راستہ کا ہے کہ مسافر کی رفتار کے ساتھ چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔

بر سر آمد مدت عمر از تگ و پوی نفس　　رشتہ چوں رہ کوتہ از رفتار سوزن میشود

## عدم پر نگاہ ڈالتے ہیں:

عدم کو جس جس زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہستی حقیقت میں غریب الوطنی ہے اور وجہ آسائش ہیں فرماتے ہیں۔

میر دم آنجا کہ جز محروم گشتن چارہ نیست　　کاروان خاشاک در باراست و منزل آتش است

یا پھر اسی غزل میں کہا ہے

از عدم دوری جہانے را بداغ وہم سوخت　　محو دریا باش اے گوہر کہ ساحل آتش است

یہ درست ہے کہ دو مصرعوں میں دو مختلف الصنف استعارے استعمال کیے، مگر مدعا حاصل ہے۔

گوشۂ امنے ز چشم بستہ دارم چوں حباب　　گر نظر وا میکنم بر خویش سیلاب من است

بہت ہی خوب فرمایا۔ اور ایک اور ڈھنگ سے کالہ دانہ کی داستان سنئے۔

سوز شوقم مژدۂ آہنگ ساز بیخودی ست　　نالہ من چوں سپند افسانۂ خواب من است

مگر اس سب قصہ کا بہترین جواب ایک بے نظیر اور انتہا درجہ بلیغ شعر میں دے دیا۔

بہ ہستی تو امید ست نیستی ہارا　　کہ گفتہ اند اگر ہیچ نیست اللہ ست

یہاں حضرت غالب کا وہ مشہور شعر یاد آتا ہے

نہ تھا جب کچھ خدا تھا، گر نہ ہوتا کچھ خدا ہوتا　　ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ زبان سے یہ شعر ادا ہو۔

وحدت از خودداریٔ ما تہمت آلود دوئی ست　　عکس در آبست تا استادۂ بیرون آب

چنانچہ

بدل اگر برسی جستجو نمی ماند　　کہ حیرت است در آئینہ شوخی سیماب

مگر واقعہ کیا ہے؟

بلند است آنقدر ہا آشیان ما مگر بیدل　　کہ بے سعی شکست بال و پر نتواں رسید اینجا

اوراس کیفیت کے حاصل نہ ہونے پر فرماتے ہیں۔

علاج زخم دل از گریہ کے ممکن بود بیدلؔ　　بشبنم بخیہ نتواں کرد چاک دامن گل را

کتنا لطیف شعر کہہ دیا ہے۔

تادم مرگ جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے راستہ ہی راستہ اور سفر ہی سفر دکھائی دیتا تھا۔

تا فنا در ہیچ جا آرام نتواں یافتن　　ہر چہ جز منزل دریں راہ است یکسر جادہ است

چنانچہ اس کے بعد اور کیا کہتے بجز اس کے کہ

چوں نگاہ چشم بسمل بے تعلق میروم　　قاصد بے مطلبیم و نامۂ ما سادہ است

اوراس کے بعد یہ کہنا بھی لازم تھا۔

ساز نومیدی اختیاری نیست　　خامشی نالۂ شکستہ تر است

کیا ہی پیارا شعر کہہ دیا ہے، خصوصاً نالہ شکستہ تر، کتنا خوبصورت ہے۔

چنانچہ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ زبان سے نکل ہی گیا کہ

کاش ہجراں داد من میداد گرو صلے نبود　　شمع تصویریم کہ از من سوختن ہم ننگ داشت!

مگر اس یاس اور ناامیدی کی انتہا بھی ہونی چاہیے۔ کوئی تو پرتو امید بھی ہو، چنانچہ طبیعت نے راہ دی اور فرمایا۔

دوریٔ کعبۂ مقصود ز خود بینی ہاست　　اگر از خویش کنی قطع نظر نزدیک ست

اوراس سے بھی آگے بڑھ کر۔

پرواز سایہ جز بسر بام مہر نیست　　از خود رمیدن تو بحق آرمیدن است

اگر چہ اپنی سعی کا جب تک خیال رہا کیفیت یہ تھی کہ

سعی ہستی، ہیچ مارا بر نیارد از عدم　　آتش ماہر کجا زد شعلہ جا در سنگ داشت

## استعارہ کے بادشاہ تھے:

حقیقت یہ ہے کہ استعارہ تو بیدلؔ کا غلام تھا۔ چمن کائنات کے ہر گوشہ سے گلدستہ بنا لیتے

تھے۔فرماتے ہیں۔

موج نکہت میفزاید آبروئے برگ گل　　رشتۂ شمع زباں تقریر روشن میکند

ان کی دنیا میں ہر چیز خواہ کتنی ہی خاموش نظر آئے زبان رکھتی ہے۔خوشبو پھول کی بولی ہے تو شعلہ شمع کی تقریر روشن اور تو اور بیاباں میں ان کے جنون سے راہیں بول اٹھتی تھیں اور غبار گیت الاپنے لگتا تھا۔

غبار ایں بیاباں نغمہ شد از بسکہ مجنونم　　بتار جادہ ہر نقش قدم مضراب می سازد

بھلا کوئی حد ہے۔اب ذرہ بے ہمتوں کا حال دیکھئے۔

بہرہ از صحبت نیکاں نہ برد دوں ہمت　　اشک تا سرحد بینش بدویدن نہ رسد

ہاں تو بھلا بیچارہ آنسو کی ہمت کیا وہ تو رخسار پر ہی ڈھل جاتا ہے رہی نگاہ تو اس کا کیا پوچھنا وہ تو پل مارتے افق اور آسمان کی گہرائیوں کو طے کر جاتی ہے۔اگرچہ نکلتے دونوں آنکھ سے ہیں۔یہاں سائنس کا گذر نہیں۔یعنی ہمیں اس بات سے واسطہ نہیں کہ نگاہ کیا ہے آیا آسمان اس میں سما جاتا ہے یا وہ آسمان سے جا کر ٹکرا جاتی ہے۔بیدلؔ نے تو صرف یہ دیکھا کہ ادھر آنسو اِدھر نگاہ دونوں خانۂ چشم سے نکلے مگر ایک بھاگتے بھاگتے رخسار پر سے ڈھل گیا اور دوسرے نے افق کی راہ لی اور ان کے ہاں شبنم کا عجب انداز تھا جس سے انھوں نے ایک نیا گل کھلایا۔کیا ہی مزے کا شعر ہے۔

ہوا بر برگ گل تمکین شبنم میکند حاصل　　نگاہ شوخ ماہم کاش بر رویش حیا گردد

دوسرا مصرعہ کیا کہہ دیا ہے۔

مگر ادھر تو نگاہ شوخ تھی کہ چاہتی تھی کہ محبوب کے رخ پر حیا ہو کر چھا جائے اور ادھر خود اپنا یہ حال تھا کہ

نظر برخویش وا کردن محال است　　اگر گوئی تغافل میتواں کرد

کہیں کسی درزی کو دیکھ لیا کہ جس کی سوئی کا ناکہ ٹوٹ گیا تھا تو انھیں ایک اور ہی مضمون سوجھ گیا۔

ما عاجزاں ز کوئے تو دیگر کجا رویم　　درپائے رشتہ ہا سر سوزن شکستہ ایم

ان کے شعلۂ ہستی کا بھی عجیب عالم تھا۔ ایک طرف وحشت پرواز تھی اور دوسری طرف جہاں اس کا پر گر گیا آشیاں تیار ہو گیا۔ فرماتے ہیں۔

چو شعلہ وحشت ما جملہ ساز عافیت است　　بہر کجا پر ما ریخت آشیاں گردید

شاید اس وجہ سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہو کہ وحدت کے روبرو جو پہنچے تو بھول بھال کے آئینہ میں جمال دیکھنے لگے اور سراپا حیرت ہو گئے۔

## وحدت الوجود:

غفلت چہ فسوں خواند کہ در خلوت توحید　　برگشت نگاہم ز خود و آئینہ بیں شد؟

گویا اب وحدت الوجود کا راز صاف ہوا۔

اور اسی غفلت کے تقاضہ کا نتیجہ تھا کہ یہ کہہ گئے۔

جلوۂ ہستی غنیمت داں کہ فرصت بیش نیست　　حسن اینجا یک نگہ آئینہ بیں گردیدہ است

ورنہ جب غفلت سے فارغ ہوتے تھے تو فرماتے تھے۔

غافل مباش از دل یاس انتخاب من　　ایں قطرہ از گداز دو عالم چکیدہ است

بڑا بلند شعر کہہ دیا ہے۔ سبحان اللہ۔

اور یاس کا عالم صرف اس وجہ سے طاری تھا کہ عالم ہستی رفتنی و گذشتنی نظر آتا تھا جسے ہزار ہزار طرح ادا کیا ہے فرماتے ہیں۔

بہر چہ میری از خود گذشتنی دارد　　بہوش باش کہ امروز رفت و فردا نیست

کیونکہ۔

شمع زیں محفل سراغ گوشۂ امنے نداشت　　چوں نگہ خود را ہماں در چشم خود دز دید و رفت

رنگ آسائش ندارد نو بہار باغ دہر　　شبنم اینجا یک سحر بر برگ گل خندید و رفت

واہ واہ کیا بات کہہ دی ہے۔ اور آخر سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچے۔

از تلاش عافیت بگذر کہ در دریائے عشق ہر کجا بیدست و پائی جلوہ گر شد ساحل است

مزید براں

شبنم صفت از بسکہ دریں باغ ضعیفم بر طائر ما بوئے گل پیچش دام است

## محنت سرائے دنیا:

دریں محنت سرا آئینہ اشک پریشانم کہ در بیدست و بے پائی مرا باید دویدا ینجا

کیا بیچارگی ہے مگر کیسی بے چینی اور مشقت ہے! اور اس بے بسی اور ناتوانی کا نقشہ کیا بنا ہے؟

جنون ناتواناں را خموشی میدہد شہرت بغیر از بو صدائے نیست زنجیرِ رگ گل را

مگر ساتھ ہی اس کے

بیدل از بال و پر بستہ نیاید پرواز غنچہ تا وا نشود جلوہ نہ بخشد بو را

اور کریں تو کیا کریں کہ آواز غائب ہے۔

نالہ ہا در شکن دام خموشی داریم خفتہ پرواز در آغوش شکست پر ما

پھر دل کو تسکین دی اور کہا۔

چوں شمع سر بلندی عشاق مفت نیست آخر بقدر سوختن است آبروے ما

مگر اس سے تسکین کب ہو سکتی ہے۔ ہر لحظہ اور ہر لمحہ بے بسی سامنے آجاتی ہے اور پریشان کرتی اور حیرانی میں ڈال دیتی ہے۔ کس خوبصورتی سے اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

چوں سیل بیخودانہ سوئے بحر میرویم آگہ نہ ایم دست کہ دارد عنان ما

یہاں حضرت محمد حسین آزاد کا وہ شعر یاد آتا ہے جہاں انھوں نے اس خیال کو ایک اور خوبی سے ادا کیا ہے۔

جہاز عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہہ گئے۔

آہ از غبار ما کہ ہوا گیر شوق نیست　　یعنی بخاک ریختہ است آسمان ما

کیا ہی خوب کہا۔ یہی وہ سرحد ہے کہ جہاں سے اقبال کا کاروان خودی برق رفتاری سے آگے بڑھتا ہے اور آسمان سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　　خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اور اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور فرمایا کہ

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا　　یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

کیا ٹھکانہ ہے۔ اور خودی کے راہرو سے فرماتے ہیں۔

فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے　　قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں

مگر حضرت بیدلؔ دوسرے راستے کی خبر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

از برگ و بار قافلہ بے خوداں مپرس　　بے نالہ میرود جرس کاروان ما

کیونکہ

بروئے چہرۂ بے مطلبی گردیدہ بکشائی　　دو عالم از رہ نظارہ برخیزد چو مژگاں ہا

اللہ اکبر کیا مقام ہے۔ کس کے مہ و پرویں اور آسمان یہاں تو دونوں عالم پلکوں کی طرح نظر کے راستہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ خودی اور بے خودی۔ آرزو اور بے مطلبی میں کتنا بڑا فرق ہے اور اس کیفیت تک پہنچنے کے لیے کن کن مقامات سے گزر چکے ہیں۔

احتیاج خود شناسی جوہر آئینہ نیست　　من اگر خود را نمی دانم تو میدانی مرا

اور یہی نہیں کہ آئینہ دیکھنے والے سے جدا ہے۔ کیونکہ

دل وارستہ با کون و مکاں الفت نمیگرد　　کہ ہست ایں مصرعۂ برجستگی بیرون دیوانہا!

بہ ایں ہمہ حالت یہ رہی ہے کہ

بفرصت نگہے آخرست تحصیلم　　برات رنگم و بر گل نوشتہ اند مرا

مزید براں

قطرۂ ما تا کجا سامان خودداری کند　　بحر ہم از موج اینجا می شمارد گام ہا

مگر پھر رہ رہ کر وہی خیال آتا ہے کہ ہستی کو نیستی میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کالے دانہ (سپند) کا دل پر بڑا اثر ہے اس کا جل جانا، اس کی آواز جو چٹکنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے خاکستر تک سے شعر میں کام لیتے ہیں فرماتے ہیں۔

کمین نالہ در آریم در گرد عدم بیدلؔ ز خاکستر صداے رفتہ می جوید سپند ما

اس شرار جستہ کی خاکستر میں تلاش کرنے کا مضمون بالکل اچھوتا ہے جو اُن کے صدہا اور استعاروں کی طرح کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ اور قصہ صرف افراد پر ختم نہیں ہوتا بلکہ جمیعت کے مسئلہ پر نگاہ ڈالی تو وہاں کا بھی یہی نقشہ پایا۔

مباش آں غنچہ از اوراق گل مغرور جمیعت کہ ایں پیوستگی ہا در بغل دارد جدائی ہا

اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک اوراق گل پر کیا منحصر ہے۔ خزاں تو چمن کے چمن اور وادیوں کی وادیوں کو رہن سکوت کر دیتی ہے۔ حتی کہ اقوام عالم کے معاملہ میں بھی یہ بہار و خزاں، مد و جزر، زیر و بم کا نقشہ بدستور قائم رہتا ہے۔ منشائے کائنات تک نہ کسی کی رسائی ہوتی ہے اور نہ بظاہر ہونی ممکن ہے۔ بس صرف اتنا معلوم ہے کہ جتنا غالب نے کہہ دیا۔

پڑھتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز یعنی یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

مگر اس ''پریشانی'' کا نقشہ بیدلؔ کے مطلع دیوان میں کس خوبصورتی سے بندھ گیا ہے۔

نفس آشفتہ میداند چو گل جمیعت مارا پریشاں می نویسد کلک موج احوال دریارا

اور اسی غزل میں ایک اور ترکیب اور تلازمہ سے کام لیا ہے، اور خوب کہا ہے۔

کف خاکے ندارم قابل تعمیر خودداری جنوں افشاندہ بر ویرانہ ام دامان صحرا را

ان میں سے بیشتر اشعار دیوان میں سے اور کچھ دوسرے مقامات سے اخذ کئے گئے ہیں، مگر حالت یہ ہے کہ جدھر نگاہ ڈالیے، نکات پر، رقعات پر، چہار عناصر پر، مثنویوں پر، یا غزلوں پر شعر کا بحر ذخار ہے جو متلاطم نظر آتا ہے۔ اور بہ دقت ہی کوئی شعر ایسا ہے جو انتخاب کا تقاضہ نہیں کرتا۔ خدا جانے کس بلا کی آمد ہے، اور ازل نے کیا ترنم عطا کیا تھا کہ بیدلؔ نے دل کائنات کو مسخر کرنے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔ ذرا اس شعر کو جو یوں ہی ورق گردانی کرتے ہوئے عنصر

اول میں نظر کے سامنے آ گیا، ملاحظہ کیجئے۔

حباب از بحرِ گوہر خیز نتواند نشاں دادن　　سراغ عالم دل از من بیدل چہ می پرسی

اس نظم کا ہر شعر جواہرات مین تولنے کے قابل ہے۔ مگر صرف دو تین شعر اور نقل کر دیے جاتے ہیں، گو جی نہیں مانتا، کہ سب ہی کیوں نہ پیش کیے جائیں۔ مگر اس بحر بیکراں کے موتیوں کا کوئی شمار ہے۔ کیا کیجئے۔ چننے والا تھک جائے اور دُر ہائے شاہوار کا ذخیرہ ختم ہونے میں تو کیا کم ہونے میں نہ آئے۔

خط و ہم نفس ناخواندہ با معنی چہ پردازم　　ہنوزم جادہ ناپیداست از منزل چہ می پرسی؟

طرف محوست در تحقیق اسرار حق اے غافل　　بہ حق ہم گر خطاب تست از باطل چہ می پرسی

نقاب و جلوہ ہر یک محو نیرنگ خودست اینجا　　ز لیلیٰ پرس حال لیلیٰ از محمل چہ می پرسی؟

کچھ تعجب نہیں کہ انتقال کے بعد پرانی دلی والوں نے انھیں ولی کامل سمجھا اور انکے مزار پر عرس ہوتا رہا کہ جس میں شعراء اپنا بہترین کلام سنایا کرتے تھے اور القا و الہام کی امید رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

گرد عجزم خوش خراماں سر فرازم کردہ اند　　سجدہ داری داشتم گردوں طرازم کردہ اند

از اول تا آخر وہی ایک مضمون ہے جسے ہزار ہزار طرح نظم و نثر میں ادا کیا ہے اور خود ہی فرما گئے ہیں۔

از ورق گردانے تجدید نیرنگی مپرس　　لطف یک معنی بعرض ہر عبارت دیگر است

اور اسی مضمون کو پھر دوبارہ تمام کائنات عالم، اور کثرت و وحدت پر منطبق کیا ہے۔

محرم نیرنگ شوخی ہائے کثرت نیستم　　ایں قدر دانم کہ ہر جا شخص وحدت دیگرست!

بہتر نکتہ، باسٹھ غزلیں، تینتیس رباعیاں اور متعدد قطعات و مثنویاں تو صرف 'نکات' میں ہیں۔ اس سے زیادہ رقعات میں اور ان سے کہیں زیادہ چہار عنصر میں۔ جو کافی ضخیم ہیں موجود ہیں اور ان کے علاوہ ایک ضخیم دیوان اور طور معرفت اور گل زرد مثنویاں ہیں۔

نثر میں حکیمانہ، فلسفیانہ اور بیشتر صوفیانہ مضامین ہیں۔ اور حکایتیں بھی ہیں۔ وحدت،

نبوت، ولایت، تصوف، حقیقت ومجاز، شہود وغیب، خلوت وجلوۃ، خموشی، شکایت زمانہ، عالم صورومعنی، آزادمنشی، کیفیتِ حسن جمال، حیرت، عبرت، حرص، عجز، خرد وعشق، فقر و امارت، بندگی وآزادگی، عموم اجل، دل، مقام حقیقت، معرفت حقیقی، غرضیکہ طرح طرح کے مضامین موجود ہیں ۔ ایک ایک مضمون صدہا استعاروں میں باندھا ہے ۔ سینکڑوں مثالوں سے کام لیا ہے۔

کچھ رباعیات نکات اور دو ایک ادھر اُدھر سے لے کر ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

## چند منتخب رباعیات بیدلؔ

با خشک و تر مائدہ لیل و نہار　　قانع شو جمیعت دل مفت انگار
آں دولت جاوید کہ خلدش نامند　　رزقیست کہ بے تردد آید بکنار

.....

فردوس بہ اتفاق ارباب علوم　　آں سوئے ثوابت و برد جست و نجوم
یعنی ایں سعد و نحس باورِ نظرست　　جنت ناممکن ست و راحت معدوم

.....

ہاں گرچہ نشاء دستگاہ تو رساست　　از ہرچہ جزا دست رنج مخمور یہا ست
اے ذات پرست از فضولی بگذر　　آلاہی را رحیم و رحماں چہ بلاست

.....

حق میگوید نہ من ازل نے ابدم　　آں سوئے شمار لا تعین احدم
یکتائے من کرد خیال دو عدم　　جوشید مع از میاں بعرض عدم

.....

گرمرد رہی ز طبع خود کام بر آ　　از پیچ و خم وسوسہ خام بر آ
اے منکر کیفیت پرواز مگس　　بے زینہ تو نیز تا سر بام بر آ

تا چشم بعبرت نکشا دست کسے　　گردن بہ اطاعت نہ نہاد ست کسے
داں بہ یقیں کہ در مرض خانہ دہر　　بیمرگ رضا بہ تپ نہ داد ست کسے

.....

نہ ہمیں صوت وصدا پردۂ ساز سخن است　　خامشی نیز اثر پرور راز سخن است
چشم کوتہ بتامل نظرے باز کند　　کہ حقیقت ز اسیران مجاز سخن است

.....

در جامہ و دلق نیست جز پنبہ نہاں　　دیں جامہ و دلق نیز در پنبہ نہاں
ذات و صفات انیست کہ کردیم بیاں　　زیں بیشتر از خلق و حق افسانہ مخواں

.....

ہستی جز جاں کنی و خوں خوردن نیست　　از عالم مرگ عیش جاں بردن نیست
در خلق بروں ز خلق بودن غلط است　　صحبت بازندگیست با مردن نیست

.....

در عالم کون رنگ فطرت دگرست　　خلقے مغرور ناز و ہمت دگرست
زیں جنس تو ہم کہ مجازش دانند　　گردست فشارند حقیقت دگرست

.....

فریاد کہ دکاں ستم وا کردیم　　خورشید بہ خاک تیرہ سودا کردیم
کثرت پیش از تمیز ما وحدت بود　　آئینہ شدیم عکش پیدا کردیم

.....

ایں عیب و شہادت تو یکسر پیدا　　پوشید گیت عیاں ترا زہر پیدا
حیرت زدایم ایں چہ پیدائی ہاست　　در پنہاں پیدا و نہاں در پیدا

.....

بیدل ز غم و نشاط دوراں بگذر　　از بیش و کم و مشکل و آساں بگذر

در گلشن دہر چوں نسیم دم صبح  آزادہ در اے دامن افشاں بگذر

.....

بیدل نفس سوختہ اندوختہ ام  داغ کہنہ بتازگی سوختہ ام
زاں شمع کہ دوش سوخت در محفل  امشب کفِ خاکسترے افروختہ ام

.....

مستقبل اگر ہمہ کمال است اینجا  از عالم اوہام و خیال است اینجا
آئینہ حال خلق ، یاس ماضی است  مہ داغ تصور سہل است اینجا

.....

# SYNOPSIS

**SUBMITTED BY: K.H. QADIRI**

**HALIM MUSLIM COLLEGE**
**CAWNPORE**

## BEDIL AZIMABADI

**1. Life:**

Bedil's Family
His Birth and Birth Place
His Education
His Association with Men of Learning and Religion
His Services at the Mughal Court
His Resignation and Retirement
His Later Life and Death

**2. Age of Bedil**

Indian Politics at the time of Bedil
Muslim Civilization and Culture in his Age
Sufism in India at his time

**3. Persian Literature in Bedil's Age**

In Persia
In India
Bedil's contemporaries in Persia and India

**4. Bedil's Works**

(1) Nikat-e-Bedil
(2) Ruqqat-e-Bedil
(3) Chahar Unsur-e-Bedil
(4) Diwan-e-Bedil

5. BEDIL'S STYLE IN PROSE.

Prose Styles at his time.
Chief features of his style.

6. BEDIL----------A POET.

(1) Poetic styles in India at his times.
(2) Poetic styles in Iran at his times.
(3) Bedil's styles.
(4) Bedil influenced by his age.
(5) Bedil's Originality.
(6) Bedil compared with
Zuhuri,
Saib,
Naziri,
Kaleem,
Ghani,
(7) Bedil's Ghazals.
(8) Bedil's Masnawis.
(9) Bedil's Rubaiyat.
(10) Bedil's Poetic ideas.
(11) Bedil's theme of love.
(12) Bedil's peculiar expressions.
(13) Bedil's flight of imagination.
(14) Bedil's similes and metaphors.
(15) Bedil's influence on later poets.

7. BEDIL---------A SUFI.

وحدت الوجود as a Sufistic creed.
وحدت الوجود in Persian Poetry.
Bedil's----a staunch advocate of وحدت الوجود
Bedil's masters in Sufism.
Bedil's experiences in Sufism.
Bedil's as a theoritical Sufi.
Bedil's as a practical Sufi.
Bedil's lofty ideas.
Bedil's description of Tasawwuf in Poetry.

(1) وحدت الوجود

(2) وحدت الشہود

(3) فنا و بقا

(4) تصور

(5) مراقبہ

(6) مجاہدۂ سلوک

(7) سلوک و طریقت

(8) معرفت

6. BEDIL AS APPRECIATED IN INDIA & ABROAD